کلیاتِ فانی

فانیؔ بدایونی

ناز پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶

کاتب :- الحی ٹونڈہ وجیہہ رامپور۔ یوپی

نام کتاب : کلیاتِ فانی

تعداد : ۵۰۰

قیمت : پچیس روپے Rs 25/=

ناشر

پرویز بک ڈپو دہلی

طابع : نیو لیتھو آرٹ پریس دہلی

ملنے کا پتہ

ناشر پبلشنگ ہاؤس

پہاڑی بھوجلہ دہلی ۱۱۰۰۰۶

غمِ دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اُٹھانے کی
فلک کا دیکھنا! تقریب تیرے یاد آنے کی

"فانی" مرحوم کی کلّیات پر میرا یہ "مقدمہ" ایک بے جوڑ سی بات ہے میں نہ خود شاعر نہ کوئی بڑا سخن فہم! لیکن باوجود یکہ شعر و سخن سے میری زندگی کا ربط بہت محدود اور مشروط ہے لیکن شاعر فانی کو میں جانتا تھا اور دعویٰ کر سکتا ہوں کہ جانتا تھا۔ بحیثیت ایک عزیز دوست کے بھی اور بحیثیت ایک غمگین سیاح کے بھی جو عالم تصورات میں غمِ زندگی کے حقیقی فلسفہ کو اپنی شاعری میں سموتا ہوا گزر گیا حیدرآباد میں فانی کی مختصر زندگی میری نظر کے سامنے گذری ہیں ان سے بہت قریب تھا۔ ان کے حیدرآباد آنے سے پہلے میں ان کا کلام سنا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا "شاعر اچھا ہے! معلوم نہیں آدمی کیسا ہے۔؟ جب ان کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ جتنا کہ وہ شاعر ہے اس سے زیادہ انسان ہے۔

ان جوان کے متعلق چند سطریں لکھنے بیٹھا ہوں تو سب سے پہلے ان کی شاعری میں
ان کی انسانیت کو دیکھتا ہوں اور اس کے ان کی انسانیت میں بھی ان کی شاعری کو آ
مقدمہ اپنے اس دعوے سے شروع کرتا ہوں کہ میں کسی دوسرے شاعر کو نہیں جانتا
جس نے اپنی شاعری کو اپنی زندگی کے تاثرات اپنی حقیقی واردات قلبی اور اپنے تمام تر
انسانی احساسات کا اس قدر صحیح آئینہ دار بنایا ہو۔ فانی کی شاعری یکسر خود فانی
ہی کی مجبور روح ہے اس شاعری کو فانی کی روح سے الگ کر لیجیے یا فانی کی روح کو
اس شاعری سے خارج کر دیجیے (گو کہ یہ دونوں باتیں ممکن نہیں) تو رہ بھی کیا جاتا
ہے ان اوراق میں سوائے ایک وحشت زدہ اور ویران خلا کے۔

ابتدائی زندگی میں شعر و سخن کی طرف ان کی طبیعت کے رجحانات کو سختی کے
ساتھ روکا گیا حتیٰ کہ ایک دفعہ نوجوان کے ابتدائی کلام مجموعہ بھی جلا ڈالا گیا اس کے
بعد شاید اقلیم سخن کو یہ تاجدار نصیب ہی نہ ہوتا لیکن مقدر یہ تھا کہ انکی جوانی میں عشق
کا شعلہ بھی جگہ پائے وہ اپنے ساتھ ایک افسانہ محرومی و مجبوری لے کر آیا یہ افسانہ
اتنا ہی دراز تھا جتنی کہ ان کی عمر! اسی مقام سے ان پر غم کا فلسفہ منکشف ہوا
اور غم کی پرچھائیاں ان کی شاعری کے آئینہ میں۔ یعنی ان کے دل کے آئینہ میں نقش
و نگار پیدا کرنے لگیں۔ وہی نقش و نگار پیدا کرنے لگیں۔ وہی نقش و نگار جو اب
ان اوراق پر جمع کیے گئے ہیں۔

سوچتا رہا ہوں۔ اکثر سوچتا رہا ہوں۔ اس زندگی کے پر فریب آئینہ میں۔ آخر وہ
وجدان ہے کیا جو اشعار کے پیرہن میں نوحہ بھی بنتا ہے اور نغمہ بھی؟ قلم سے لکھی ہوئی
مرصع عبارت یا زبان سے ادا کیے ہوئے مترنم الفاظ کیا شعر اسی کو کہتے ہیں؟ وزن

قافیہ اور ردیف ان کے تمام متعلقات کے ہجوم میں کیا شعر ہر وہ جملہ ہے جس میں تھوڑا سا ترنم ہو، تھوڑی سی لطافت ہو الفاظ کی خوبصورت اور خوش آہنگ نشست ہو، جو پانی کا تھوڑا اسا تموج ہو، کیا اسی کو شعر کہتے ہیں؟ جنسی کشش کی واردات یا ہجر کا زخمی افسانہ یا وصل کی داستانِ رنگین۔ کیا شعر اسی کا نام ہے؟ جذبات کے طوفانوں میں جب خواہشوں آرزوؤں کی کشتیاں ڈگمگاتی ہیں اور شاعر اپنے محبوب کی یاد میں لکھے جاتا ہے۔ کیا شاعری اسی کو کہتے ہیں؟ جو کچھ وہ دیکھتا ہے جو کچھ اس کی نظر کے سامنے گزرتا ہے وہ اپنی منظوم نقاشی میں مقید کر لیتا ہے تصورات کی اڑتی ہوئی چڑیوں پر جال پھینکتا ہے۔ اور انھیں اپنی شاعری کے ایک خوبصورت پنجرے میں بند کر کے بازار میں رکھ دیتا ہے اور گزرتے ہوئے راہ گیر ان رنگین چڑیوں کو اس قفس میں پھڑ پھڑاتے دیکھتے ہیں۔ ان چڑیوں کے پھڑ پھڑاتے ہوئے رنگ اور گھبرائے ہوئے نغموں سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن کیا رنگین تصورات کا یہ چڑی مار بھی شاعر ہے؟ فانی نے کہا نہیں زندگی شعر ہے مگر زندگی کا ہر جلوہ اور ہر پہلو شعر نہیں صرف غم شعر ہے تازہ پھول کا حسن شعر کا ایک ادنیٰ مقام ہے مگر مرجھاتے ہوئے کی گزری ہوئی رعنائی مٹا ہوا رنگ حقیقی شعریت کا ارفع ترین مقام ہے! اس نے کہا۔ قہقہوں میں شعر! اگر ہے تو بہت کم البتہ اس کی ساری دنیا ایک آنسو میں ہے ایک زخم میں ہے۔ اور وہ زخم جس قدر زیادہ ناقابل علاج ہو شعر اتنا ہی زیادہ بلند اور بلیغ ہو جاتا ہے۔ تسلیم ورضا کی منزل کا راستہ یہی ہے اور عشق اور تسلیم دو جڑواں بھائی ہیں۔ جب تم وہاں لے جاؤ اپنے شعر کو جہاں سے

خود اپنے جیتے مردے کو تجھے دینا پڑے کاندھا

تب نفس انسانی کے ارتقا کی وہ منزل آتی ہے جس کے متعلق نطشہ نے کہا تھا کہ۔

درد کے روحانی بن جانے کا نام ہی ترقی ہے

مہاتما بدھ نے بھی اپنے فلسفہ میں خوشی نشاط اور انند کو "کرب معکوس" بتایا ہے جب کوئی شاعر اس نکتہ اور زندگی کے عظیم تر فلسفہ کا رازداں بن جاتا ہے تبھی تو وہ کہہ سکتا ہے

ہاں ناخن غم کمی نہ کرنا!
ڈرتا ہوں کہ زخم دل بھر نہ جائے

فانی نے اپنی آخری سانس تک زندگی کے اس فلسفہ کو زندہ رکھا انھوں نے اس فلسفہ میں ایک آتشیں نفس حیات پیدا کیا اسی لئے تو مجھ جیسے دیوانے "فانی" کو بہت بڑا شاعر اور بہت بڑا عکاس فطرت مانتے ہیں غالب نے گھر کی رونق کے فلسفیانہ تصور کو نہ صرف یہ کہہ کر ختم کر دیا تھا کہ :۔

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق!
نوحہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی

لیکن فانی اس منزل سے گزر کر آگے انھوں نے نغمہ شادی کو بھی "نوحہ غم" کے معکوس حالت سے زیادہ تسلیم نہ کیا۔ انھوں نے "نغمہ شادی" کے سطحی آہنگ کو اپنی الم پرور روح کی گہرائیوں میں غرق کر دیا۔ عام فہم اصطلاح میں "آرٹ" کے معنی بہت ارزاں ہو گئے ہیں۔ انتہا ارزاں کہ بہت ادنی و جنسی جذبات کبھی "آرٹ" کو اپنی گود میں لیے بیٹھے ہیں لیکن پھر بھی اس کلیہ کو آرٹ کے تمام ارزاں

فروش بھی تسلیم کر لینے پر مجبور ہیں کہ اس کا بلند ترین مقام "المیہ" ہے یہ مقام
جہاں "انکار" "اقرار" کو شکست دیتا ہے۔ جہاں نفی اثبات پر حاوی ہو جاتی ہے۔
کوئی قوت دنیا میں "انکار" کی قوت سے زیادہ مؤثر نہیں آسان راہ "اقرار" کی ہے اور
مشکل راہ "انکار" کی ہے۔ فانی نے یہ مشکل راہ اختیار کی اس نے صاف کہہ دیا کہ۔

دل ہے آوارۂ حدود نیاز
دور ہے جا ہٹا کے سرحد ناز

"حدود نیاز" سے دل کی آوارگی اور "سرحد ناز" سے یہ بے نیازی وہ مقام
ہے جہاں "انکار" کا شہنشاہ بصد جاہ و جلال اپنی مملکت میں اورنگ زیب ہوتا ہے۔
فانی کے "افکار" پر "قنوطیت" کی تہمت رکھنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو
اس کے مقام سے واقف نہیں جو مقام "انکار" سے واقف نہیں جو نو شگفتہ پھول
کی تازگی اور شعریت کو مرجھاتے ہوئے پھول کی تازگی اور شعریت کو مرجھائے
"سرحد ناز" اور "حدود نیاز" کے ان باسیوں سے کیا کہیے کہ یہ بیچارے مو
جودات کے تنگ میدان میں اپنی نظر کی سرحدوں کے اندر محصور ہیں! ان کی خاطر
میں ان اوراق کو "اقرار اور انکار کی بحث سے گرانبار کیوں کر دوں ان کو ان کے حال
پر چھوڑ کر بس اتنا ہی کہتا ہوں کہ "فانی" کا وجدان محض آرٹ نہ تھا وہ ایک
حقیقی اور انفرادی وجدان تمام تھا۔ جو ان کو "رنگ و بو" کی تمام عارضی لذتوں
سے روگرداں کر کے ایک ایسے خارزار میں لے گیا جس کے ہر کانٹے کی نوک شاعر
کے حیات معنوی کے لہو سے رنگین ہے۔ پھر کہتا ہوں کہ المیات کے اس بلند
مقام پر اردو زبان کا کوئی شاعر آج تک پہونچا! مختلف اصناف سخن میں بعض
اساتذہ نے درجہ کمال حاصل کیا ہے۔ لیکن "میر" کے بعد سوز و گداز کا رنگ کسی

دوسرے ساز سے پیدا نہ ہو سکا۔ اپنے زمانے کے اعتبار سے "میر" کبھی کبھی "رنگ و بو" کے گلستانوں میں بھٹک جایا کرتے تھے لیکن فانی نے شاید ہی اپنے دس پانچ اشعار میں اس فلسفۂ حیات کا دامن ہاتھ سے چھوڑا ہو جو خود اس کا مخصوص فلسفۂ حیات تھا موجودہ دور کے شعراء میں صرف ایک شاعر کا نام لے سکتا ہوں جو فانی کے پہلے فانی کی اس دنیا میں تو پیدا ہوئے وہ استاذ مرحوم شاد عظیم آبادی تھے ان کے بعد نگراں سے کبھی زیادہ "فلسفۂ الم" کا سب سے بڑا داعی اور نقاش صرف "فانی" تھا اور فانی کے بعد اب کوئی نہیں۔

فانی نے جو کچھ کہا اس کی نمایاں خصوصیات پر بحث کرنے کے لیے کوئی مجھ سے بہتر لکھنے والا ایک پوری کتاب لکھے لیکن اس مقدمہ میں ان کی ایک خصوصیت کا میں سب سے پہلے ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ خصوصیت ان کی انفرادیت تھی جو میر اور شاد اور غالب سے کبھی زیادہ ان کے کلام میں نمایاں ہے فانی نے جو کچھ کہا اس طرح کہا کہ وہ گویا اس کی اپنی بات ہے اس کی اپنی واردات ہے آپ بیتی ہے۔ اس کے اپنے افکار کی حقیقی اولاد ہے۔ غالب کی طرح اس کی انفرادیت نے بھی اپنے مقام پر کبھی کسی غیر کی شرکت کو گوارا نہیں کیا وہ اپنی بات صرف اس طرح کہنا پسند کرتا تھا جس طرح کہ کوئی دوسرا نہ کہتا ہو۔ نہ کہہ سکتا ہو۔ یہی انفرادیت در حقیقت فانی کے شخصی کردار کا آئینہ ہے۔ مثلاً ان کے شخصی کردار میں "خودداری" ایک بہت نمایاں اور بہت طاقتور عنصر تھا انھیں مشاعروں میں دیکھا گھر کی صحبتوں میں دیکھا تخلیہ میں جب میرے اور ان کے سوا کوئی موجود ہوتا تھا۔ دیکھا تکلف اور بے تکلفی دو حالتیں دیکھیں، لیکن وہ جوان کے کردار

ہیں ایک شان تمکنت اور خودداری کا جذبہ دیکھا وہ ایسا تھا کہ ان کے بے تکلف دوست کبھی اس سے متاثر اور مرعوب ہوا کرتے تھے خود میری حالت یہ تھی کہ اگر کبھی جی چاہتا تھا کہ فانی کچھ سنائیں اور ہم سنیں تو دس دفعہ اپنی اس خواہش پر غور کرنے کے بعد ڈرتے ڈرتے ان سے کچھ کہنا۔ کبھی کچھ سنا دیتے پھر بھی نظران کے چہرہ کا جائزہ لیتی رہتی کہ کہیں یہ بات ناگوار نہ ہوئی کبھی جی چاہتا کہ وہ کسی شب کو میرے ساتھ کھانا کھائیں تو دعوت سے پہلے انتظار کرتا اور غور کرتا کہ کہنا کا موقع بھی ہے کہ نہیں یہ حال میرا تھا کہ میں ان کا بے تکلف دوست تھا، تا بہ دیگراں چہ رسد! سچ تو یہ ہے کہ ان کی یہی ادا میرے اور ان کے درمیان محبت کی سب سے مضبوط گرہ تھی! میری آنکھوں نے ان کی احتیاج کا وہ عالم دیکھا تھا کہ جب صبح کے ناشتہ کے بعد دوپہر کے لئے دو روٹیوں کا انتظام بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ لیکن کبھی ہمدردی کے اظہار کی جرأت نہ ہوتی تھی کہیں وہ برا نہ مان جائیں۔ میں کہوں کہ چند روز میرے گھر پر ہو۔ تو وہ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ ان کی تنگدستی کے خیال سے ان کو یہ دعوت دے رہا ہوں کبھی ایک حرف اپنے کوائف کے متعلق ان کی زبان پر نہ آتا تھا۔ ایک چٹان کی طرح جو بے رحم موجوں کے تھپیڑے کھاتی ہو۔ آخری سانس تک سب کچھ کھو کر بھی انھوں نے اپنی خودداری کا لنگر قائم رکھا۔

"فانی کے کلام میں ان کے کردار کی یہ خصوصیت ایک ایسی وضعداری کے ساتھ قائم رہی جن نے دوباروں اور سرکاروں میں بھی کبھی سرنگوں ہونا گوارا نہ کیا عشق و حسن کی محفلوں سے بھی وہ اپنی خودداری کو سنبھالے ہوئے گزرے ہی رہتے ہیں۔

ایک کلمۂ شوق لب پہ لایا نہ گیا　　افسانۂ آرزو سنایا نہ گیا

"فانی" ارنی نہ اپنے منہ سے نکلا   احسان تجلی بھی اٹھایا نہ گیا

"میر" تو صرف اتنی ہی بات کہہ کر رگ گئے تھے کہ :-

آگے کسی کے کیا کریں دست طمع دراز وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے لیکن "فانی" نے "احسان تجلی" اٹھانے سے بھی انکار کر دیا تھا یہ قوت "انکار" ہے جس کی طرف ابتدائی سطور میں نے اشارہ کیا تھا۔

فرماتے ہیں کہ :-

مجھے عزیز ہے فرمان موت کی تعجیل   کہ موت کی یہ تمنا ہے زندگی کی دلیل

بے اجل کام نہ اپنا کسی عنواں نکلا   دم تو نکلا مگر آزردہ احساں نکلا

دل بس ایک لرزش پیہم ہے سراپا یعنی   میرے آئینہ کو آتا نہیں حیراں ہونا

خاک فانی کی قسم ہے تجھے اے دشت جنوں   کس سے سیکھا ترے ذروں نے بیاباں ہونا

دل اذیت آفریں رہیں امتحاں نہیں   خدا ئے بے نیاز ہے جبھا اضطراب کا

محتاج اجل کیوں ہے خود اپنی قضا ہو جا   غیرت ہے تو مرنے سے پہلے ہی فنا ہو جا

ظالم کا نہ شکوہ کر ظلمتوں کی نہ پروا کر   تو اپنی وفاؤں کی عزت پہ فدا ہو جا

جئے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی
ترے غم نے بچائی آبرو کی زندگی برسوں

"جہاں اضطراب" کا وہ خدائے بے نیاز جو فانی اپنے سینے میں لے کر آیا تھا۔ اپنی وفاؤں کی وضعداری پر فدا ہوتا فلسفہ غم کو اس نے ایک ایسی بلندی پر پہنچایا جہاں وہ اس کی زندگی کی آبرو کا حافظ بن گیا میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر فلسفہ غم نے ان کے افکار اس قدر متاثر نہ ہوئے ہوتے تو شاید ان کی انفرادیت اس مقام تک نہ پہنچ سکتی جہاں اس کو ہم دیکھ رہے ہیں۔ دنیا کے رنج و راحت اور کم و بیش کی کشمکش سے ان کی بے نیازی اور بے پروائی کہ وہ اصطلاحی طور پر رہ رہ کر کبھی مردانہ وار مرنے کی عظمت سے واقف تھے۔

ناکام ہے تو کیا ہے کچھ کام پھر بھی کر جا
مردانہ وار جی اور مردانہ وار مر جا
دنیا کے رنج و راحت کچھ ہوں تری بلا سے
دنیا کی ہر ادا سے منہ پھیر کر گزر جا

درد مندان اجل پر عشق کا احساں نہیں
درد یاں دل سے گیا کب تھا کہ پیدا کر دیا

اس بے نیازی کے ساتھ اس کی شاعرانہ فطرت حسن و عشق کے تمام پیش پا افتادہ تصورات کو ٹھکراتی ہوئی گزری۔ میں تو کہتا ہوں کہ وہ شاعری کے سکہ رائج الوقت کو بھی ٹھکراتی ہوئی گزری کا وہ شاعری جس کی نسبت پروفیسر رشید احمد نے اپنے مخصوص انداز میں لکھا تھا اور کیا خوب لکھا تھا۔

"ہمارا شاعر صرف اس فکر میں رہتا ہے کہ شعر کہے جائے مقدمہ لکھتا جائے دیوان چھپاتا جائے اور قافیے کرتا جائے! وہ شعر

کہنا مقصود بالذات سمجھنے لگا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ بات کرنے کی اس کو تمیز نہیں سلیقہ سے رہنا اسے نہیں آتا۔ کسی مسئلہ پر اس سے گفتگو کیجئے تو ٹھکانے کا وہ جواب نہیں دے سکتا مخصوص کتابیں اس کی نظر سے نہیں گذریں حسنِ معاشرت سے وہ بے خبر۔"

گر شاعر ہے مشاعروں میں ضرور جاتا ہے غزلیں سناتا ہے اپنی بیاض ہر وقت اپنی جیب میں رکھتا ہے کہ نہ معلوم کہاں اور کس وقت دو چار غزلیں اور دو غزلے سنانے کا موقع مل جائے۔ یہ شاعری کا سکہ رائج الوقت ہے۔

حالی نے فرمایا تھا:۔

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں
ہیں مے ناب کے دلال قدح خوار نہیں

مے ناب کے دلالوں کے ہجوم سے 'فانی' عمر بھر بھاگتے رہے اور یہی وہ خودداری، اور وضعداری تھی جس کو مے ناب کے دلال خودگیتی تکبر اور غرور سے منسوب کیا کرتے تھے۔ اقبال نے اسی فلسفہ خون جگر کے متعلق اپنے انداز میں کہا تھا کہ:

یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خون جگر سے

"فانی" نے اپنا فلسفہ خون جگر سے لکھ کر شاعری کو مشاعروں کی محفل اور مشاعروں کے ہنگاموں سے بہت دور پہنچا دیا اس نے موت کے تخئیل کو زندگی سے بھی آگے بڑھا دیا۔ خون جگر کے ایک سیلاب میں سارے سمندر کو ساحل بنا دیا۔ وادی حقیقت کا یہ مسافر اپنی منزل سے واقف تھا اس لیے وہ

موت کے عامیانہ تخیل کی تحقیر اور توہین کر کے یعنی موت کے خوف سے انکار کر کے زندگی کا ایک زندہ بیدار فلسفہ پیش کرتا تھا۔

دریائے محبت بے ساحل اور ساحل بے دریا بھی ہے
جو موج ڈبو دے ساحل ہے یوں نام کا ساحل کوئی نہیں

فانی ہی وہ اک دیوانہ تھا جو موت سے پہلے مر جائے
کیا ہوش کی کافر دنیا اس موت کے قابل کوئی نہیں

طوفاں ہی ایک کیا مجھے طوفاں سے کم نہیں
منگر ہوا سفینہ ہوا ناخدا ہوا

مذاق تلخ پسندی نہ پوچھ اس دل کا
بغیر مرگ جسے زیست کا مزا نہ ملا

یہ عرش کو سو بار ہلا دیتی ہے
آواز شکست دل کی طاقت کو نہ پوچھ

اپنے کمال شوق پر حشر کا دن ہے منحصر
وعدۂ دید چاہیئے زحمت انتظار کیا

نفس کا یہ عرفان اور فلسفہ زندگی کا یہ معکوس ارتقا جس کی بنیاد انکار معمول ہے "فانی" کے کلام کی روح ہے لیکن میرے لیے "ایک مقدمہ" محدود دائرہ پر اس بحث کو اٹھانا اور ختم کرنا ناممکن ہے تاہم فانی اور ان کی شاعری کو سمجھنے کے لیے اہل نظر کو ان کے عرفان نفس کی ان وسعتوں میں داخل ہونا ضروری ہوگا اور ان کے فلسفہ غم کو صرف ان ہی کے کلام سے سمجھا جا سکتا ہے بشرطیکہ ان کے کلام کے ساتھ ان کی معنوی زندگی سے بھی واقفیت حاصل ہو "فانی" اور

"فانی" اور "فانی" کی شاعری علیحدہ علیحدہ دو عناصر نہیں ہیں کہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کا مطالعہ مکمل ہو سکے۔ وہ خود اپنی ایک ہی "نگاہ آخر" کو اپنی ساری داستان سمجھتے ہیں۔

نگاہ آخر فانی سے مختصر سن لو ۔۔۔ زبانِ خلق پہ ہو گی یہ داستان طویل

لیکن اس داستان کے سننے والوں کے لئے ایک شرط بھی ہے کہ:

اہل دنیا مجھے سمجھ لیں گے ۔۔۔ دل کسی دن ذرا لہو تو کریں!

فانی کے جو اشعار میں جا بجا نقل کر رہا ہوں وہ خاص طور پر اس کام کے لیے اس مقدمہ میں جمع نہیں کئے گئے۔ ورنہ میں نے کوشش کی (جو رسم ہے مقدمہ نگاری کی) کہ ہر صنف سخن میں فانی کے کمالات کی شہادتیں ان کے کلام سے جمع کروں۔ قلم برداشتہ جو سمجھ میں آیا، جو کچھ یاد آیا۔ لکھتا چلا گیا اگر اس لئے میرا یہ مقدمہ "عالمانہ" نہیں تو میں خوش ہوں کہ وہ عالمانہ نہیں ہے۔

اردو زبان کے دور جدید میں تغزل کے چار بادشاہ میں نے شمار کئے ہیں حسرت، جگر، اور اصغر۔ ان میں سے دو اپنے جسم فانی کی زنجیریں توڑ کر کہیں چلے گئے۔ معلوم نہیں کہاں؟ اب صرف دو ہی باقی ہیں! اس دور سے پہلے "فانی" کے رنگ میں استادانہ کہنے والے صرف "شاد عظیم آبادی" تھے۔ اوپر کی طرف چلئے تو روحانی سلسلہ "میر" تک پہنچتا ہے غالب بھی درمیان آئے مگر صرف اس لئے کہ ان کی "انفرادیت" فانی کی انفرادیت سے بہت قریب ہے ورنہ جس فلسفہ کے ارتقا کا سہرا "فانی کے سر رہا اس کے انتہائی مقام" غالب بہت دور ہے پھر بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ اردو شاعری کے دور جدید میں فانی سے پہلے غالب

نے اپنی انفرادیت کو شاعری کا جس قدر اساس بنایا اس وجہ تک کوئی دوسرا شاعر نہ پہنچ سکا۔ مثلاً غالب اور فانی کے چند اشعار کا تقابل بے محل نہ ہوگا۔

نکوہش ہے سزا فریادیِ بیدادِ دلبر کی
مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبحِ محشر کی

غالب

کیا جانیے کہ حشر ہو کیا صبحِ حشر کی
بیدار تیرے دیکھنے والے ہوئے تو ہیں

فانی

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے نام ننگ ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

غالب

بہلا نہ دل نہ تیرگیِ شامِ غم گئی
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

فانی

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں!
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

غالب

وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو
پوچھوں نہ خضر سے بھی کہ جاؤں کدھر کو میں

فانی

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق کا ہے خونِ گرمِ دہقاں کا

غالب

تعمیرِ آشیاں کی ہوس کا ہے نام برق!
جب ہم نے کوئی شاخ چنی شاخ جل گئی

فانی

غالب سے بہت پہلے "میر" کا رنگ جب فانی کے کلام دیکھتا ہوں تو اکثر یہ خیال آتا ہے کہ بیسویں صدی کی یہ غمگین روح اٹھارویں ۱۹ ویں صدی کے فلسفہ غم کو کس طرح اور کہاں سے کہاں لے آئی جیسے کوئی نیک بخت اور نیک کردار اولاد اپنے آباؤ اجداد کی جائداد و املاک کو ترقی دیتی ہے اور یہ اصطلاح عام باپ دادا کا نام روشن کرتی ہے میر سے فانی نے شاید ایک ہی قطرہ خون حاصل

کیا ہے۔ لیکن اسم قطرہ کو بنا دیا۔ ایسا دریا۔ کہ وہ خود اس میں غرق ہو گئے۔

اور تار نفس بھی ٹوٹ گیا
اک عمر سے تکلیف جسے کل رات قیدی چھوٹ گیا

فصل گل آئی یا اجل آئی کیوں در زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آپہونچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

میرؔ — فانیؔ

کہتے تھے کہ یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اس نے کہا کہیے
تو چپ ہیں کہ کیا کہیے کھلتی ہے زباں کوئی

میرؔ — فانیؔ

"میر کے رنگ میں فانی کے چند اور جواہر ریزے بھی دیکھیے۔

غم کے ستائے کچھ ہوں بلا سے آگے جاگو جاتے ہیں
ہم ہیں مگر وہ نیند کے ماتے جاگتے ہیں سو جاتے ہیں

گو ہستی تھی خواب پریشاں نیند کچھ ایسی گہری تھی
چونک اٹھے تھے ہم گھبرا کر بھی آنکھ نہ کھلتی تھی

جب پرسش حال وہ فرماتے ہیں کیا جانیے کیا ہوتا ہے
کچھ یوں بھی زباں نہیں کھلتی کچھ درد سوا ہو جاتا ہے

یکتائے زمانہ ہونے پر صاحب یہ غرور خدائی کا
سب کچھ ہو کر خاکم بدہن کیا کوئی خدا ہو جاتا ہے،

قطرہ قطرہ رہتا ہے دریا سے جدا رکھ سکتے تک
جو تاب جدائی لا نہ سکے وہ قطرہ فنا ہو جاتا ہے

آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ اُمڈا آتا ہے ۔۔۔ دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے

دنیائے غم کے اس نگار خانے میں دیکھو کہ فطرت کے مصوروں کی روحیں کس قدر ایک دوسرے کے قریب رہتی ہیں گویا وہ سب ایک ہی طرح سوچتے ہیں، ایک ہی طرح محسوس کرتے ہیں ایک ہی طرح بے چین ہوتے ہیں۔ شاد کا ایک شعر یاد آیا وہ بھی اسی سلسلہ کی حقیقت نگار فطرت تھے فرماتے ہیں۔

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی ۔۔۔ نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

فانی نے استاد کا پورا مصرعہ یوں اٹھایا کہ:۔

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم ۔۔۔ رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم

وہ حکایت ہستی کو درمیان سے بھی نہیں سنتے وہ ابتدا اور انتہا کے تمام جھگڑوں کو وہم کے سپرد کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں، تصوف کی سرحد عمل کی طرف جہاں وہ اپنے مجبور دل کے لئے روحانیت کے فلسفہ سے کوئی دوا مانگتے ہیں مگر ان کا تصوف تقلیدی اور رسمی اور اصطلاحی نہ تھا ان کے دل گداز نے ان کی انتہائی یکسوئی اور تصورات جبر و اختیار کی کشمکش میں ان کو لذت کوش بنایا

وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانی ۔۔۔ دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنہگار ہیں ہم

جسم آزادی میں پھونکی تو نے مجبوری کی روح ۔۔۔ خیر جو چاہا کیا اب یہ بتا ہم کیا کریں

فانی مرے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی ۔۔۔ سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں　　ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں

مختار ہوں کہ معترف جبر دوست ہوں　　مجبور ہوں کہ یہ بھی کوئی اختیار ہے

گنہگار کی حالت ہے رحم کے قابل　　غریب کشمکش جبر و اختیار میں ہے

محشر میں جبر دوست سے طالب ہوں داد کا　　آیا ہوں اختیار کی تہمت لیے ہوئے

جلوۂ اختیار سے نسبت جبر ہے مجھے　　شعلہ آرا میدہ ہوں وادی برق ناز میں

جبر و اختیار کی اس وادی پر خار میں ہر نوک کی خلش سے انھوں نے اپنی کے لیے لذت بے پایاں حاصل کی۔ حتیٰ کہ افکار کی اس کشمکش کو اپنے لیے ایک شغل بے خودی بنا لیا۔ وہ بے خودی جو بے نیازی کے ہمدوش ہوتی ہے اپنی زندگی کے بعض لمحات میں وہ ایسے مقام سے بہت قریب پہنچے جہاں دست جنوں بڑھتا ہے کہ عقل کے پردۂ راز کو چاک کر ڈالے۔

ہاں یہاں کوئی شے نہیں باطل　　عشق ہے راز عقل پردہ راز

اس احساس حقیقت نے انھیں تصوف اس مقام سے آشنا کیا جہاں ان کی روح سب کچھ چھوڑ کر ایک ہی لازوال اصل کا اقرار کرنے لگی یہ ان کے افکار کی انتہا تھی۔

بیگانۂ اختیار ہو جا　　راضی برضائے یار ہو جا

فانی جب اس کشمکش "حق و باطل" میں اپنا راستہ پیدا کر رہے تھے اسی

زمانہ میں "اقبال" نے اپنا فلسفہ خودی پیش کیا اور ایک ایسی قوت ایمانی کے ساتھ پیش کیا کہ بہت سے سوئے ہوئے جاگ گئے۔ بہت سے بھاگنے والے رک گئے اور بہت سے آوارہ افکار نے اپنا رخ بدل دیا۔ فانی نے بھی اس فلسفہ کی حقیقت کو اپنی "فکر فلک پیما" کی کسوٹی پر رکھا اور "اقبال" کے پیام کا اس تجربہ کیا کہ:-

ترک خودی کا سے ہوش عشق ورک خودی کا ہے جوش عشق
خود نشناس و خود شناس جو ہے خدا شناس ہے

متضاد نظریوں کا یہ اتصال ایک بہت مشکل مقام ہے اور ہم اس تک اس لئے نہیں پہنچ سکتے کہ فانی کے ان نظریات کو قدرتی ارتقار کا موقع نہ ملا ان کی عمر نے وفا کی ورنہ شاید وہ اس راہ پر کچھ آگے بڑھتے تاہم اس حقیقت کو بھولنا چاہیئے کہ فانی شاعر تھے، داعی نہ تھے وہ ایک اعلیٰ ترین فلسفۂ زندگی کے ترجمان تھے۔ وکیل نہ تھے اس لئے ان کے وجدان کی تمکنت اپنی سرحدوں میں محدود رہی اور وہ ان میدانوں کی طرف نہ آئی جو "حالی" یا "اقبال" کی جولانگاہ تھے۔

اقلیم تغزل کے چار بادشاہوں میں میں نے ایک "فانی" کو شمار کیا ہے میرا یہ عمل اور بیان مدعیانہ ہے اس لئے ان کے چند صرف چند ہی۔ شاہکار پیش کرتا ہوں۔ زبان "طرز ادا" الفاظ کی نشست اور بندش جذبات اور بیان جذبات کی بے اختیاری ان اصناف کے یہ چند نمونے ہیں چند اشارے ہیں گویا اس اقلیم میں "فانی" کی بادشاہت کے چند سکے ہیں۔

لکھ چکے ہیں ہم جا جا کا خط گریہی حالت رہی — ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا
دیکھیئے کیا گل کھلاتی ہے بہار اب کے برس — خواب میں فانی نے دیکھا ہے قفس کا در کھلا

گم گردہ راہ ہوں قدم اولیں کے بعد   پھر راہ پر مجھے نہ لگا راہبر کو میں
دو چار ہچکیوں میں وہ ہم نزع کہہ گیا   شرح دراز زندگی مختصر کو میں

قربان اک ادائے تغافل پہ لاکھ بار   وہ زندگی جو صرف ہوئی انتظار میں

کیوں سادگی میں غور کچھ اب بانکپن ہیں   کل تک تو سادگی میں ادا بانکپن کی تھی

شرمندہ وہم رشک سے استانہ کیجئے   آئینہ دیکھ کر مجھے دیکھا نہ کیجئے

سرکار پاس وضع جفا چاہتا ہوں میں   یہ بھی اگر وفا ہے تو اچھا نہ کیجئے

بہار آئی کہ یارب عید آئی اہل زنداں کو   گریباں نے گلے لپٹا لیا ہے بڑھ کے داماں کو

اثر پابند کبھی بیتابی نہیں تو ضبط کبھی کیوں ہوا؟
بلا سے حال دل کچھ بھی سہی ناگفتنی کیوں ہوا؟

طبیعت رفتہ رفتہ غم کی خوگر ہوتی جاتی ہے
جفا کم کر جفا اب روح پرور ہوتی جاتی ہے

ہڈیاں کئی ہیں لپٹی ہوئی زنجیروں میں — لیے جاتے ہیں جنازہ ترے دیوانے کا

شکوہ منظور نہیں تذکرۂ عشق نہ چھیڑ — کہ وہ در پردہ مرا حال پریشاں نکلا

فانی دوائے درد جگر زہر تو نہیں — کیوں ہاتھ کانپتا ہے مرے چارہ ساز کا

دے تیرا حسنِ تغافل جسے جو چاہے فریب — ورنہ تو اور جفاؤں پہ پشیماں ہوتا

خاک فانی کی قسم ہے تجھے اے دستِ جنوں — کس سے سیکھا ترے ذروں نے بیاباں ہونا

چمن سے رخصتِ فانی قریب ہے شاید — کہ آج بوئے کفن دامنِ بہار میں ہے

تجھے خبر ہے ترے تیرِ بے پناہ کی قسم — بہت دنوں سے دلِ ناتواں نہیں ملتا

مری اک عمر فانی نزع کے عالم میں گزری ہے
محبت نے مری رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسوں

بے ذوقِ نظر بزمِ تماشا نہ رہے گی — منہ پھیر لیا ہم نے تو دنیا نہ رہے گی

۲۶ اگست ۱۹۴۱ کو فانی اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے ابتک

تین دفعہ ان کی لحد پر تین برساتیں، تین بہاریں اور تین سرما گزر چکے ہیں۔ جس دن ان کے جسد خاکی کو دفن کر کے آیا تھا۔ پھر آج تک اس مٹی کے ڈھیر کی طرف نہ جا سکا۔ جو قبریں مجھے زیادہ محبوب ہوتی ہیں ان کے قریب میں جا نہیں سکتا شاید یہ میری ایک کمزوری ہے۔

غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے

لیکن میں ہمیشہ اپنے پیاروں کی قبر اپنے دل میں پاتا ہوں۔ میرا دل ہی میرا سب سے بڑا گورستان ہے۔ کبھی کبھی دل کہتا ہے فانی نہیں مرے "مر سکتے ہی نہ تھے۔ مگر میں کہتا ہوں وہ مرے یا نہ مرے مگر ہماری دنیا مر گئی جو انھیں بھول نہیں۔

بے ذوق نظر بزم تماشا نہ رہے گی ۔۔۔ منہ پھیر لیا ہم نے تو دنیا نہ رہے گی

مردوں کا یہ ملک۔ یہ قبرستان جس میں مردے چلتے پھرتے ہیں، کسی کو بھی یاد نہیں رہ سکتا! وہ ایک گوشہ نشین شاعر کو کیا یاد کرے جس نے اپنا سب کچھ اپنے ملک کی زبان کو دے ڈالا۔ اپنے موتی ان لوگوں کے سامنے بکھیرے جو سنگریزے اور موتی کا فرق نہ جانتے تھے! مگر کبھی اپنی فطرت کے اس خزانہ کی کوئی قیمت نہ مانگی ..... مجھے اس بات میں نہ ہندوستان سے شکایت ہے نہ حیدرآباد سے شکوہ! وہ ایک شخص تھا کہ موتی لٹاتا آنسو بہاتا اور اپنے خون جگر کے لیے نہریں کھودتا ہوا گذر گیا۔ اس کی فطرت عالی معاوضہ اور اپنے خون جگر کے لیے نہریں کھودتا ہوا گذر گیا۔ اس کی فطرت عالی معاوضہ اور انعام کی روادار ہی نہ تھی۔ لیکن میرے لیے کہنے کو یہ بات ضرور باقی رہ گئی حیدرآباد نے جس گنج گراں مایہ کو اپنے خاک میں دفن کیا۔ اس کی قدر نہ کی۔

نہ مرنے کے بعد اور نہ زندگی میں۔ اس ناحق شناس کی حکایت کے بغیر میرا
یہ مقدمہ نامکمل ہے۔ ایک دفعہ تو وہ بات کہہ ہی دوں کہ جس کو سن کر حیدرآبادی
وطن پرست برا مانے مگر جواب نہ دے سکے! مجھ سے زیادہ کس کو معلوم ہے کہ اردو
زبان کے اس گہوارہ میں۔ جہاں آج بھی زبان اور اہل زبان کی قدر افزائی کی جا رہی
ہے۔ اگر قدر شناسی سے محروم رہا۔ تو صرف "فانی" بیشک وہ کبھی اس قدر شناسی
کا محتاج نہ تھا۔ مگر محروم و محتاج تھے۔ ارباب ذوق کہ وہ فانی کی قدر و قیمت
کو پہچاننے کی عزت سے محروم رہے۔ علم دادب کے جن مدعیوں کی محفل میں
یہ شمع خاموش ہوئی۔ انھوں نے یہ بھی جانا کہ شمع جب جلتی ہے جب ہی
دوسروں کی آنکھوں سے نور بخشتی ہے۔ سوز وگداز کی جو دولت وہ غربت
اور افلاس کی تاریک گلیوں میں بکھیرتا چلا گیا اس کی قدر و قیمت سے کوئی بے
سود واقف نہ ہو سکا۔ تا آنکہ یہ خاکستر دکن کی مٹی کا پیوند ہو گئی پھر بھی
کسی نے نہ جانا کہ وہ کون تھا اور کہاں گیا ارباب ذوق نے اگر کچھ جانا تو
صرف اتنا ہی جانا کہ ہندوستان سے تلاش روزگار میں ایک شخص آیا تھا
جیسے کہ بہت سے آتے ہیں اور وہ ناکام رہا ہاں یہ ممکن ہے کہ جس دن تصنعات
کی اس رنگ آمیزی کا جو حیدرآباد کی بہت سی محفلوں کو آراستہ کرتی ہے رنگ
وروغن دھل جائے اور اس ملک کی حقیقت نواز نئی نسلیں حیات جدید کے
دروازے کھولیں تو شاید وہ آنسو بہائیں اپنے آباد اجداد کی قدر شناسی پر
جو اردو زبان میں فلسفہ غم کے سب سے بڑے حقیقت نگار گو یہ نہ جان سکے حتیٰ
کہ خود اس کی زبان سے کہوا لیا کہ۔

اور ایں چنیں بزیست کہ گویا خدا نداشت

"فانی" کی موت اور تدفین و تکفین کا وہ منظر میری آنکھوں میں پھر رہا ہے جب آدھی رات کو ان کے چند بے نوا اعزہ آرائش بلدہ کے ایک چھوٹے سے مکان کے دروازے پر اس انتظار میں، سوگواری کی گھڑیاں گزار رہے تھے کہ کب صبح ہو اور کب وہ اس جسد خاکی کو سپرد خاک کر دیں بعض احباب کا اصرار تھا کہ جنازہ دھوم سے اٹھایا جائے۔ میرے کانوں میں اس مشت خاک سے یہ آواز آ رہی تھی کہ ہٹاؤ اس زریں کفن کو وہ اب یہاں نہیں ہے جس کے لئے تم زریں کفن چاہتے ہو اس ایک مٹھی خاک کو جس نے دوستوں کا کوئی احسان کبھی گوارا نہ کیا، زرکار کفن سے رسوا نہ کرو۔ اس مٹھی بھر خاک کا ہوا میں اڑا دیا جانا بہتر ہے۔ اس سے کہ وہ زربفت و دیبائی چادروں میں لپٹی جائے اور سونے اور چاندی کے صندوقوں میں رکھی جائے حیدرآباد کے دولت کدوں میں "فانی" کا قدرشناس مہاراجہ کشن پرشاد۔ "فانی" سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ اس کے بعد کوئی زریں کفن ان زخموں کو ڈھانپ نہ سکتا تھا جو "فانی" کے جسم معنوی پر ہمیشہ رہتے رہے۔

انتقال سے تقریباً ایک سال پہلے ایک دن شام کو میرے یہاں آئے مسکراتے ہوئے اپنی جیب سے ایک پرچہ نکالا کہنے لگے بھئی قاضی! بس ایک چیز سنانے آیا ہوں۔ انتظار کر رہا تھا کہ کب یہ لکھی جائے گی آخر آج صبح یہ چار مصرعے موزوں ہو گئے ہیں میں نے کہا آخر ہے کیا یہ کہ تم صرف اس کے سنانے کے لئے گھر سے چل کر آ گئے۔ باور نہ ہو تو ہم تمہاری خوشامد میں کیا کرتے ہیں

اور تم دو مصرعے نہیں سنانے لگے۔ ذرا سن تو لو! یہ میری تاریخ وفات ہے"

اوازجہاں گذشت کہ آخر خدا نہ بود۔!!

اوایں چنیں بزیست کہ گوئی خدا ندا شت

طغیانِ ناز بیں کہ بہ لوحِ مزار او

ثبت است سالِ رخصتِ فانی خدا نداشت

کہنے لگے: بس کچھ نہ کہو! یہ بالکل صحیح تاریخ ہے میں نے کہا ظالم آخر یہ کہہ کیا دیا۔ کہنے لگے "خدا نداشت" سے گھبرا گئے اور "طغیانِ ناز" کو نہیں دیکھتے

وفات کے بعد جب یہ مسئلہ پیش تھا کہ اس بے سروساماں کی قبر کیوں کر بنے اور لوحِ مزار پر کیا لکھا جائے تو کم نظر احباب بہت گھبرائے ہوئے تھے کہ کہیں خود ان کی کہی ہوئی تاریخ وفات نہ لکھوا دی جائے!

ان بیچاروں نے کبھی اس طرف نظر ہی نہ کی "خدا نداشت" کے طنز کا مخاطب اصلی کون تھا۔ اتاریخیں لکھنے والوں نے اچھی اچھی تاریخیں لکھیں لیکن شاعرِ غم اپنی وضعداری کو آخر دم تک نبھا گیا۔ ساری عمر اس نے "آپ بیتی" لکھی اور آخر دم بھی اسی پر اپنی شاعری کو ختم کر گیا۔ اب کئی محفلِ عیش میں سنگِ مرمر کی قبر اور لوحِ مزار کا ذکر کر کے اس انسان کی توہین کیوں کی جائے جو اپنی دنیا کا اک ہی بادشاہ تھا۔ جن محفلوں میں حسن سراپا تصنع ہو اور عشق یکسر "آورد" ان محفلوں میں کسی کو اتنا حق حاصل نہیں کہ وہ فانی کا نام زبان پہ نہ لائے۔

شمع است دل مرا افروختنی — جان است بہ ہجر دوست اندوختنی

اے بے خبر از ساختن و سوختنی　　　عشق آمدنی بود نہ آموختنی

اس کی "خودی" دنیا کی ان محفلوں کی بے خودی سے کتنی دور اور کس قدر بلند تھی:۔

"فانی" ز حیات من آشفتہ چہ پرسند　　　مرگے است کہ از ہمتی جاوید بیام است

قاضی عبدالغفار

(ا)

یاں ہوش سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا
اس بزم میں ہشیار ہوا بھی نہیں جاتا

کہتے ہو کہ ہم وعدۂ پرسش نہیں کرتے
یہ سن کے تو بیمار ہوا بھی نہیں جاتا

دشواری انکار سے طالب نہیں ڈرتے
یوں سہل تو اقرار ہوا بھی نہیں جاتا

آتے ہیں عیادت کو تو کرتے ہیں نصیحت
احباب سے غم خوار ہوا بھی نہیں جاتا

جاتے ہوئے کھاتے ہو مری جان کی قسمیں
اب جان سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا

غم کیا ہے اگر منزل جاناں ہے بہت دور
کیا خاک در یار ہوا بھی نہیں جاتا

دیکھا نہ گیا اس سے تڑپتے ہوئے دل کو
ظالم سے جفا کار ہوا نہیں جاتا

یہ طرفہ ستم ہے کہ ستم بھی ہے کرم بھی
اور خوگر آزار ہوا بھی نہیں جاتا

○

خوشی سے رنج کا بدلہ یہاں نہیں ملتا
وہ مل گئے تو مجھے آسماں نہیں ملتا

ہزار ڈھونڈیئے اس کا نشاں نہیں ملتا
جبیں ملے تو آستاں نہیں ملتا

مجاز اور حقیقت کچھ اور ہے یعنی
تری نگاہ سے تیرا بیاں نہیں ملتا

بھڑک کے شعلۂ گل تو ہی اب لگا دے
کہ بجلیوں کو مرا آشیاں نہیں ملتا

وہ بدگماں کہ مجھے تاب رنج زیست نہیں
مجھے یہ غم کہ غم جاوداں نہیں ملتا

تری تلاش کا فانی ماحصل یہ ہے
کہ تو یہاں نہیں ملتا وہاں نہیں ملتا

بتا اب اے جرس دور ہیں کدھر جاؤں — نشان گرد رہ کارواں نہیں ملتا
مجھے بلا کے یہاں آپ چھپ گیا کوئی — وہ میہماں ہوں جسے میزباں نہیں ملتا
تجھے خبر ہے ترے تیر بے پناہ کی خبر — بہت دنوں سے دل ناتواں نہیں ملتا
مجھے غرض نہ سہی قدر دل تمھیں کیوں ہو — کمی تو دل کی نہیں دل کہاں نہیں ملتا

دیار عمر میں اب قحط مہر ہے فانی
کوئی اجل کے سوا مہرباں نہیں ملتا

سر ہوش برق گرتی وہ ہجوم ناز ہوتا! — وہ نظر فریب جلوہ جو نظر نواز ہوتا
خبر اے تو مغفرت کی تو نہیں یہ جانتا ہوں — مری توبہ چاہتی ہے در توبہ باز ہوتا
مرے شوق نے سکھایا اسے شیوۂ تغافل — نہ مجھے نیاز ہوتا نہ وہ بے نیاز ہوتا

حجاب اگر من و تو کا درمیاں ہوتا — پیام حسن، محبت کی داستاں ہوتا
تری تلاش کا افسانہ گر بیاں ہوتا — نہ مجاز کا ہر ذرہ اک زباں ہوتا
مراد جو دہے میری نگاہ خود نہ شناس — وہ راز ہوں کہ نہ ہوتا جو رازداں ہوتا
کمال ضبط غم عشق ہائے معاذاللہ — کہیں نہیں ہے جو یہ ماجرا بیاں ہوتا

بنائے جلوہ گہِ ناز ہے جبینِ نیاز
جو دردِ عشق نہ ہوتا تو دل کہاں ہوتا

تمام قوتِ غم صرفِ دل ہوئی ورنہ
زمیں زمیں ہی نہ ہوتی نہ آسماں ہوتا

سکونِ خاطرِ بلبل ہے اضطرابِ بہار
نہ موجِ بوئے گل اٹھتی نہ آشیاں ہوتا

تری جفا کے سوا بھی ہزار تھے انداز
کوئی تو اہلِ وفا کا مزاج داں ہوتا

مٹا دیا غمِ فرقت نے ورنہ میں، فانی
ہنوز مائلِ مرگِ ناگہاں ہوتا

○

ہوشِ ہستی سے تو بیگانہ بنایا ہوتا
کاش تو نے مجھے دیوانہ بنایا ہوتا

دل میں اک شمع سی جلتی نظر آتی ہے مجھے
آگے اس شمع کے پروانہ بنایا ہوتا

تیرے سجدوں میں نہیں شانِ محبت آہ
سر کو خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا

دل تری یاد سے آباد ہے اب تک ورنہ
غم نے کب کا اسے ویرانہ بنایا ہوتا

درد دے کر، دلِ فانی کو مٹا دینا تھا
اس حقیقت کو بھی افسانہ بنایا ہوتا

○

ان کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا
اک جوش تھا کہ محوِ تماشائے جوش تھا

برپا تھا دل کی لاش پہ اک محشرِ سکوت
تیرے شہیدِ ناز کا ماتم خموش تھا

امیدِ عفو ہے ترے انصاف سے مجھے
شاہد ہے خود گناہ کہ تو پردہ پوش تھا

فردائے حشر خیر سے آنکھوں کا تھا قصور
ہر رخ مری نگاہ کا تصویرِ دوش تھا

پژمردہ نگاہ غلط جلوہ خود فریب
عالم دلیلِ گمرہیِ چشم و گوش تھا

وحشت بقیدِ چاک گریباں روا نہیں
دیوانہ تھا جو معتقدِ اہلِ ہوش تھا

پی اور وہ پی ازل میں کہ اتری نہ حشر تک
یادش بخیر دل بھی عجب بادہ نوش تھا

محرومیاں ذریعۂ الہام ذکر تھیں
نالوں پہ انحصار پیامِ سروش تھا

فانیؔ تنک بضاعتیِ غم کا کیا علاج
ہر قطرۂ خونِ دل کا تمنا فروش تھا

○

دنیائے حسن و عشق میں کس کا ظہور تھا
ہر آنکھ برق پاش تھی ہر ذرہ طور تھا

میری نظر کی آڑ میں ان کا ظہور تھا
اللہ ان کے نور کا پردہ بھی نور تھا

تھی ہر تڑپ سکون کی دنیا لیے ہوئے
پہلو میں آپ تھے کہ دلِ ناصبور تھا

ہم کشتگانِ غم پہ یہ الزامِ زندگی!
بے مہر، کچھ تو پاسِ حقیقت ضرور تھا

بالیں پہ تم جب آئے تو آئی وہ موت بھی
جس موت کے لیے مجھے جینا ضرور تھا

تھی ان کے روبرو بھی وہ شانِ اضطراب
دل کو بھی اپنی وضع پہ کتنا غرور تھا

لطفِ حیات بے خلشِ مدعا کہاں
یعنی بقدرِ تلخیِ صہبا، سرور تھا

اٹھ کر چلے تو حشر بھی اٹھنا تھا کیا ضرور
اُن کی گلی سے مدفنِ فانیؔ تو دور تھا!

خونِ ناحق کا گلہ تھا کچھ ادب کا جوش تھا!
لاش کی صورت زباں تھی اور میں خاموش تھا

حرفِ معرفت بخشا دلِ آگاہ نے!
ورنہ پہلے سوزِ غم اک شعلۂ بے ہوش تھا

ہائے کیا دن ہیں کہ نقشِ سجدہ ہیں اور زیر پا نہیں
یاد ہیں وہ دن کہ سر تھا اور وہاں دوش تھا

عشق کی دنیا زمیں سے آسماں تک شوق تھی — تھا جو کچھ تیرے سوا آغوش ہی آغوش تھا
دل کی ہر کروٹ میں اک دنیا بنی اک مٹ گئی — ہائے ان دو خون کی بوندوں میں کتنا جوش تھا
سرگزشتِ عمر کہیے اس کو یا رودادِ عشق — دل کے لب جنبش میں تھے اور میں سراپا گوش تھا

کیا یہ فانی مر رہا تھا عالمِ ہستی کی سیر!
آگے آگے بیخودی تھی پیچھے پیچھے ہوش تھا

جلوۂ عشق، حقیقت تھی حسن مجاز بہانہ تھا — شمع جسے ہم سمجھے تھے شمع نہ تھی پروانہ تھا
شعبدے آنکھوں کے ہم نے ایسے کتنے دیکھے ہیں — آنکھ کھلی تو دنیا تھی بند ہوئی افسانہ تھا
عہدِ جوانی ختم ہوا اب مرتے ہیں نہ جیتے ہیں — ہم بھی جیتے تھے جب تک مر جانے کا زمانہ تھا
دل اب دل ہے خدا رکھے ساقی کو میخانے کو — ورنہ کیسے معلوم نہیں، ٹوٹا سا پیمانہ تھا

فانی گو کیسا ہی سہی پھر بھی تجھی سے نسبت تھی
دیوانہ تھا، تھا کس کا، تیرا ہی دیوانہ تھا!

○

جس خاک کے ذروں پر وہ سایۂ محمل تھا! — جو خاک کا ذرہ تھا، وحشت کدۂ دل تھا
بیداد کی ہر تہ میں سو طرح سے شامل تھا — وہ جان کا دشمن جو کہنے کو مرا دل تھا
غم حسن مکمل تھا دل، حیرت کامل تھا — تصویر کا آئینہ، تصویر کے قابل تھا
ہم جی سے گزر جانا آسان سمجھتے تھے — دیکھا تو محبت میں یہ کام بھی مشکل تھا
آئینہ و دل دونوں کہنے ہی کی باتیں تھیں — تیری ہی تجلی تھی اور تو ہی مقابل تھا
ہر باطل و ہر ناحق اک رازِ حقیقت ہے — جس شکل میں حق آیا وابستۂ باطل تھا

ہاں آپ کسی کو یوں برباد نہیں کرتے
یہ فانی کا کارہ سبح ہے ہما سی قابل تھا

کیوں جفا کیش کبھی تم بھی جفا کوش نہ تھا
وہ بھی دن تھے کہ خود اپنا ہی تجھے ہوش نہ تھا

اب جو ہیں یہ تو نے وہ تھیں نہ بلائیں نازل کیا
زلف بردوش نہ تھا غیر سے ہم دوش نہ تھا

بھول جانے کے سوا اب تجھے کچھ یاد نہیں
کل کی ہے بات کہ تو وعدہ فراموش نہ تھا

بے تکلف نگہ مست جھکا دیتی تھی!
میں تری بزم میں حسرت زدہ نوش نہ تھا

نگہ شوق نہ تھی کیف اثر سے محروم
میری قسمت میں غم جلوہ سرجوش نہ تھا

دل مشتاق نہ تھا شکوہ طراز تپ ہجر
گلہ غم کا مرقع لب خاموش نہ تھا

ظلمت شام میں تھا نور سحر کا عالم
آسمان صبح کے ماتم میں سیہ پوش نہ تھا

تجھ میں اور تیرے تصور میں جدائی کی مجال
درمیاں کوئی حجاب غم آغوش نہ تھا

یاد ایام کہ فانی کے سوا تیرا ذکر!
فتنہ ہر لب و آوارہ ہر گوش نہ تھا

تیرا نگاہ شوق کوئی رازداں نہ تھا!
آنکھوں کو ورنہ جلوۂ جاناں کہاں نہ تھا

عالم خبر اعتبار نہاں و عیاں نہ تھا!
یعنی کہ تو عیاں نہ ہوا در نہاں نہ تھا

اب تک تری گلی میں، یہ رسوائیاں کبھی
اب تک تو اس زمیں پہ کوئی آسماں نہ تھا

کیا دن تھے جب مآل وفا کی خبر نہ تھی
وہ دن بھی تھے کہ حال وفا داستاں نہ تھا

تلقین صبر دل سے کوئی دشمنی نہ تھی
دیکھا ہے حال قابل شرح بیاں نہ تھا

مفہوم کائنات تمہارے سوا نہیں
تم چھپ گئے نظر سے تو سارا جہاں نہ تھا

ہر شاخ ہر شجر سے نہ تھی بجلیوں کو لاگ
ہر شاخ ہر شجر پہ مرا آشیاں نہ تھا

آغوش موت میں نہ وہاں یار ہوں
وہ دن گئے کہ مجھ پہ کوئی مہرباں نہ تھا

آزردہ تھا کہ ضبط فغاں میں اثر نہیں
شرمندہ ہوں کہ ضبط فغاں رائگاں نہ تھا

ہو بھی چکے تھے دام محبت میں ہم اسیر
عالم ابھی بقید زماں و مکاں نہ تھا

اللہ رے بے نیازی آداب التفات
دیکھا مجھے تو پائے نظر درمیاں نہ تھا

یہ جو دل غیور کا حسن طلب تو دیکھ
گویا زباں پہ حرف تمنا گراں نہ تھا

تو نے کرم کیا تو بہ عنوان رنج و درد بیتی
غم بھی مجھے دیا، تو غم جاوداں نہ تھا

فانی فسون موت تاثیر دیکھنا!
ٹھیرا وہ دل، کہ جس پہ سکوں کا گماں نہ تھا

○

زیست کا حاصل بنا دیا دل، جو گویا کچھ نہ تھا
غم نے دل کو دل بنایا، ورنہ کیا تھا کچھ نہ تھا

وہ تو میرے سامنے، دیکھنے کی دیر تھی
میں نے آنکھیں بند کر لیں، ورنہ پردہ کچھ نہ تھا

یا الم کوشی رہی، یا خود فراموشی رہی
دل، کسی دن دل نہ تھا یا درد تھا یا کچھ نہ تھا

کچھ سمجھ کر خود ہی ہم نے جان دے دی اور دل کیسا تو
ان کی نظروں کا ابھی ایسا تقاضا کچھ نہ تھا

آپ کا دیوانہ تھا، یہ ادعا باطل سہی!
فانی دیوانہ، دیوانہ بھی تھا یا کچھ نہ تھا

○

یوں نظمِ جہاں درہم و برہم نہ ہوا تھا
ایسا بھی ترے حسن کا عالم نہ ہوا تھا

پھر چھیڑ دیا وسعتِ محشر کی فضا نے
سودا ترے وحشی کا کبھی کم نہ ہوا تھا

یا عشرتِ موجودہ تھا یا حسرتِ دیروزہ
وہ لمحۂ ہستی جو کبھی غم نہ ہوا تھا

صد حیف ہوا گل ہو کہ گلچیں ہیں جبیں تنگ
آزردہ آلائشِ شبنم نہ ہوا تھا

قاتل ہی مرا کیوں اسے کہتا ہے زمانہ
مانا، وہ شریکِ صفِ ماتم نہ ہوا تھا

دل زار کا حق مرے دم سے ہوا، رازِ محبت
کچھ راز نہ تھا، جب کوئی محرم نہ ہوا تھا

پاتے ہی تجلی، رحم کا دریا، امڈ آیا
پر وہ مری آنکھوں کا کبھی کم نہ ہوا تھا

رسوا نہ کر اس سوز کو اے شمعِ سرِ گور
جو واقفِ دل سوزیٔ ہمدم نہ ہوا تھا

گو تیر سے تقدیر نے پیمانہ بنایا
سامانِ جنوں مجھ سے فراہم نہ ہوا تھا

اک کفر بپا اللہ نے کیا حشر قائل
میں معتقدِ حشرِ مجسم ہی نہ ہوا تھا

ہر دل میں نئی شانِ تجلی ہے کہ فانیؔ
نشتر ہے، وہ انداز جو مرہم نہ ہوا تھا

○

زندگی کا کوئی پہلو ہی نہ تھا جو غم نہ تھا!
ہوش کا کھودا جنونِ عاشقی کم نہ تھا

یوں نہ تھے محرومِ مرگِ ناگہاں بیمارِ عشق!
وہ بھی دن تھے جب مزاجِ زندگی برہم نہ تھا

مجھ سے ہر جلوے نے سیکھا امتیازِ زلف و شکل
ورنہ حسنِ دوست کا آگے تو عالم نہ تھا!

دل کی قسمت ہی بری ورنہ کوئے دوست میں
تھا کوئی ذرہ؟ جو دل کے درد کا مرہم نہ تھا

رسمِ خودداری ہے گو واقف نہ تھی دنیائے عشق
پھر بھی ،،اسیاز خم دل شرمندۂ مرہم نہ تھا

رفتہ بیمِ خزاں تھی، اس چمن کی ہر بہار
خندۂ گل تھا اگر بے گریۂ شبنم نہ تھا

عرش کی منزل بھی تھی کیا بارگاہِ قلبِ دوست
کیا اب اتنا بھی، اس آہِ نارسا میں دم نہ تھا

دل میں فانیؔ اک نہ اک ہنگامہ برپا ہی رہا
شوق تھا جب تک کسی کے شوق کا، اک غم نہ تھا

عشق رسوا بھی کسی کا نازِ معشوقانہ تھا
ہر محبت کا فسانہ، حسن کا افسانہ تھا

قہر کی حد تک بھی تھا دشوار جن کا التفات
مہر کی ان سے توقع ہے، کوئی دیوانہ تھا

ان کے آگے کھل گیا تھا شمع کا سارا فریب
آشنائے بزمِ دوست ہیں، پروانہ ہی پروانہ تھا

عشق اور مایوسیاں، مایوسیاں کہنے کو ہیں
عہدِ ترکِ آرزو خود آرزو مندانہ تھا

آپ کے غم کی بدولت دونوں عالم جمع ہیں
ورنہ دل کچھ بھی نہ تھا، دیکھا اک ویرانہ تھا

وہ بھی کتنی تھی مذاقِ دید کی منزل سے دور
جس نظر میں امتیازِ کعبہ و بت خانہ تھا

آسماں سے ہو چکا ساری بلاؤں کا نزول
جس پہ آتی تھیں بلائیں وہ مرا غمخانہ تھا

ہم قیامت کو قیامت ہی نہ سمجھے صبحِ حشر
حشر تک آنکھوں میں شاید جلوۂ جانانہ تھا

ہم نے پوچھا حال فانیؔ ہو نہ ہو سمجھے کچھ کہا
بات تو کچھ بھی نہ تھی اک نالۂ بیمارانہ تھا

بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اٹھا
مل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دھواں دل سے اٹھا

جلوہ محسوس سہی، آنکھ کو آزاد تو کر
قیدِ آدابِ تماشا بھی تو محفل سے اٹھا

پھر تو مضرابِ جنوں، سازِ انا لیلیٰ چھیڑ
ہائے وہ شور "انا القیس" کہ محمل سے اٹھا

اختیار اک ادا تھی مری مجبوری کی
لطفِ سعیِ عمل اس مطلبِ حاصل سے اٹھا

عمرِ امید کے دو دن بھی گراں تھے ظالم
بارِ فردا نہ ترے وعدۂ باطل سے اٹھا

خبرِ قافلۂ گم شدہ کس سے پوچھوں
اک بگولہ بھی نہ خاکِ رہِ منزل سے اٹھا

ہوش جب تک ہے گلا گھونٹ کے مر جانے کا
دمِ شمشیر کا احساں ترے بسمل سے اٹھا

موت ہستی پہ وہ تہمت تھی کہ آساں نہ تھی
زندگی مجھ پہ وہ الزام کہ مشکل سے اٹھا

کس کی کشتی تہِ گرداب فنا جا پہنچی
شورِ لبیک، جو فانیؔ لبِ ساحل سے اٹھا

○

ستمِ گردشِ ایام اٹھا
ہر سحر اٹھ کے غمِ شام اٹھا

تم جسے در سے اٹھا دیتے تھے
آج دنیا سے وہ ناکام اٹھا

عشق کا اک قصور اور سہی
موت کے سر سے تو الزام اٹھا

ابر اٹھا سمتِ حرم سے زاہد
تو بھی سجادہ الٹ، جام اٹھا

ہل گئی پھر مرے دل کی دنیا
درد پھر لے کے ترا نام اٹھا

○

بیگانۂ اختیار ہو جا
راضی برضائے یار ہو جا

جینے کو یہ آسرا بہت ہے
اچھا ہے امیدوار ہو جا

غیرت ہو تو غم کی جستجو کر
ہمت ہو تو بے قرار ہو جا

اے درد یہ چٹکیاں کہاں تک
اٹھا اور جگر کے پار ہو جا

ماتم کدۂ وفا ہے عالم
فانیؔ دلِ سوگوار ہو جا

○

محتاجِ اجل کیوں ہے، خود اپنی قضا ہو جا
غیرت ہو تو مرنے سے، پہلے ہی فنا ہو جا

اے شوقِ طلب، بڑھ کر مجنوں ادا ہو جا
اے ہمتِ مردانہ، راضی بر رضا ہو جا

آغوشِ فنا میں ہم پروردۂ آفت ہیں
اے فتنۂ دوراں اٹھ اک حشر بپا ہو جا

ضد اور یہ ضد اے دل، اچھا تو خدا حافظ
قرباں ہی اس بت پر ہوتا ہے تو جا ہو جا

اس جانِ تمنا سے، بے پردہ نہ شکوہ کر
وہ تجھ سے خفا ہے، تو جینے سے خفا ہو جا

ہر قافلۂ دل کو، تو مژدۂ منزل دے!
ہر رہگذرِ غم میں، نقشِ کفِ پا ہو جا

یہ دردِ محبت بھی، کیا شے ہے معاذ اللہ
میں دردِ محبت سے کہتا ہوں دوا ہو جا

ظالم کا نہ شکوہ کر، ظلموں کی نہ پروا کر
تو اپنی وفاؤں کی عزت پہ فدا ہو جا

اس ہستیٔ فانی سے، کر قطع نظر فانی
تو دوست کا طالب ہے، دشمن سے جدا ہو جا

ناکام ہے، تو کیا ہے، کچھ کام پھر بھی کر جا
مردانہ وار جی، اور مردانہ مر جا

دنیا کے رنج و راحت، کچھ ہوں تری بلا سے
دنیا کی ہر ادا سے، منہ پھیر کر، گزر جا
اس بحر بے کراں میں، ساحل کی جستجو کیا
کشتی کی آرزو کیا، ڈوب اور پار کر جا
یہ دعوئ خبر ہی عصیاں بھی ہے، سزا بھی
بے ہوش و بے خبر رہ، بے خوف و بے خطر جا
کثرت میں، دیکھتا جا تکرار حسن وحدت
مجبور یک نظر آ، مختار صد نظر جا
یہ میکدہ ہے، پاس آداب میکدہ کر!
اول خراب آ، اور آخر، خراب تر جا
گھبرا گیا خرد کی تاریکیوں سے فانی
اے نور عشق، دل کی گہرائیوں میں بھر جا

تو اور در جاناں، مگر اپنی سی تو، کر جا
قسمت کو رسائی نہیں منظور، مگر جا
ہستی و فنا راحت و ایذا سے گزر جا
جب سرحد دل، سامنے آجائے ٹھہر جا
بھر لے نگہ آخر بے رنگ میں ہر رنگ
دنیا کو بھی لیتا ہوا دنیا سے گزر جا

خالی لیے بیٹھا ہوں تری بزم میں ساغر
مے میرے مقدر میں نہیں، زہر ہی بھر جا

ہے موت ہی، اک زندگیِ دل کا سہارا
جینے کی جو ایسی ہی تمنا ہے، تو مر جا

سرکارِ محبت میں خبر، بے ادبی ہے
اے نشۂ دیوانگی ہوش اتر جا

اک عمر، پرستارِ شبِ ہجر رہا تھا
اے زلفِ سیہ ماتمِ فانی میں بکھر جا

خود برق ہو اور طورِ تجلی سے گزر جا
خود شمع بن اور وادیٔ سینا سے گزر جا

بے واسطہ، خود نگری اپنی طرف دیکھ
آئینہ اٹھا حسنِ خود آرا سے گزر جا

یہ نقشِ قدم ہیں، وہ ہے منزل، دل میں
فردا تو ہے فردا پسِ فردا سے گزر جا

اپنی ہی نگاہوں کا، یہ نظارہ کہاں تک
اس مرحلۂ سعیِ تماشا سے گزر جا

ذرے میں ہے گم، وسعتِ صد عالمِ صحرا!
ذرے کو سمجھ وسعتِ صحرا سے گزر جا

کر قطع نظر، وسوسۂ قلب و نظر سے!
ہر جلوۂ پوشیدہ و پیدا سے گزر جا

کعبہ ہو کہ ہو دیر، وہ دنیا ہو کہ عقبیٰ!
ہر منزل و ہر جادہ و ہر جا سے گزر جا

اے عزم خبر، ہوش کے پردوں کو الٹ دے
اے ذوق نظر محمل لیلیٰ سے گزر جا

یوں سب کو بھلا دے کہ تجھے کوئی نہ بھولے
دنیا ہی میں رہنا ہے تو دنیا سے گزر جا

اٹھ بزم تحیر سے وہ کہتے ہیں ہاں ادھر آ!
جا اور حد امکان تمنا سے گزر جا

اے دیدہ دل، کھول وہ کہتے ہیں، ادھر دیکھ
دیکھو اور حد آداب تماشا سے گزر جا

کشتی کا سہارا ہی تو گرداب ہے فانیؔ
دریا ہی میں تو ڈوب کے دریا سے گزر جا

○

مزاج دہر میں ان کا اشارہ پائے جا
جو ہو سکے، تو بہر حاصل مسکرائے جا

بہار عہد چمنستان آرزو بن کر!
مرے خیال کی رنگینیوں میں آئے جا

رہ نواز نگاہوں کی آڑ میں رہ کر! ا
فضائے، عالم دیوانگی پہ چھائے جا
پلائے جا کہ ابھی ہوش بےخودی ہے مجھے
پلائے جا مجھے ساقی، ابھی پلائے جا
دل و جگر پہ گزر جائے جو گزرے گی
تری نظر سے جو فتنے اٹھیں اٹھائے جا
ذرا ٹھہر کہ اب انجام سوز غم ہے قریب
چراغ زیست بھڑکنے کو ہے بجھائے جا
سکوت میت فانی ہے اک فسانۂ عشق
لب خموش سے ہر مدعا کو پائے جا!

○

یہ کس قیامت کی بےکسی ہے نہ میں ہی اپنا، نہ یار میرا
نہ خاطر بےقرار میری، نہ دیدۂ اشکبار میرا
نشان تربت، عیاں نہیں ہے نہیں کہ باقی نشاں نہیں ہے
مزار میرا کہاں نہیں ہے کیوں نہیں ہے مزار میرا
وصال تیرا خیال تیرا جو ہو تو کیوں کر نہ ہو تو کیونکر
نہ تجھ پہ کچھ اختیار میرا نہ دل پہ کچھ اختیار میرا
نگاہ دل دوز کی دھائی جمال جاں سوز کی دہائی
رہ محبت میں غم نے لوٹا شکیب و صبر قرار میرا

یں دردِ فرقت سے جاں بلب ہوں تمھیں یقینِ وفا نہیں ہے
مجھے نہیں اعتبار اپنا، تمھیں نہیں اعتبار میرا
قدم نکال، اب تو گھر سے باہر جو دم بھی سینے سے سہل نکلے
دکھا نہ اب انتظار اپنا لحد کو ہے انتظار میرا
سنا ہے، اٹھا ہے اک بگولہ جلو میں کچھ آندھیوں کو لیکر
طوافِ دشتِ جنوں کو شاید گیا ہے فانیؔ غبار میرا

○

وہ کہتے ہیں کہ ہے ٹوٹے ہوئے دل پر کرم میرا
مگر منجملۂ آدابِ غم خواری ہے غم میرا
وہاں سجدے سے اب تک نقش سیوں کے سر نہیں اٹھتے
پڑا تھا جس جگہ راہِ محبت میں قدم میرا
زہے تقدیرِ ناکامی، کہ تیری مصلحت ٹھہری!
تری مرضی سے وابستہ ہوا، اللہ رے غم میرا
نہ جانے اس سفر کی منزلِ اول کہاں ہوگی
فنا کی آخری منزل پہ ہے پہلا قدم میرا
مرے جوشِ طلب کی شانِ استغنا کوئی دیکھے
کہ ہیں رہبر سے آگے، مجھ سے آگے ہی قدم میرا
یہ وہ آزردۂ وہمِ مسرت ہوں، معاذ اللہ
کہ غم کو غم سمجھنے سے بھی گھبراتا ہے دم میرا

یہ محرومِ تبسم میرے ساماں تبسم ہے!
تری بزمِ طرب میں معتبر ہے اشکِ غم میرا
اب آگے کس سے لکھا جائے آغازِ محبت پر
فسانہ ختم کر دیتے ہیں، اربابِ قلم میرا
مری آوارگی ہر قید سے بیزار ہے شاید
کہ اب اس کی گلی میں بھی گزر ہوتا ہے کم میرا
بقا کہتے ہیں جس کو وہ مرا احساں ہے فانیؔ
وہ حادث ہوں کہ دنیا قدم بھرتی ہے دم میرا

○

رازِ دل سے نہیں واقف دلِ ناداں میرا
تیرے عرفاں سے بھی دشوار ہے عرفاں میرا
اڑ چلے کیوں مری وحشت کے بکھیرے ہوئے تار
کس کے دامن سے الجھتا ہے گریباں میرا
جلوۂ آتشِ پنہاں، جسے "غم" کہتے ہیں!
"دل" ہوا بجھ کے وہی شعلۂ عریاں میرا
کیوں جنوں، پھر نہ بیاباں میں بہار آئی ہو
بڑھ چلا ہے، مرے دامن سے گریباں میرا
کھول دے رازِ فریبِ غم و راحت، نہ کہیں
خندۂ عیش پہ یہ گریۂ حیراں میرا

فطرتِ عشق کی آزادیاں، اداؤں کو تو دیکھ
وسعتِ عالمِ تخییل ہے، زنداں میرا

آدمِ نزع اور اک وعدۂ فردا بھی سہی
جان کے ساتھ نکل جائے نہ ارماں میرا

چشمِ تر، حاصلِ آثارِ جنوں ہے فانی
کھو گیا ہے اسی دریا میں، بیاباں میرا

ادائے ہر نگہ التفات نے مارا
نویدِ مرگ دو عیدِ حیات نے مارا

یہی نہ اک حقیقت کہ بے نیاز ہے تو
دلِ غیور کو اتنی سی بات نے مارا

کسی کے جلوۂ طاقت ربا کو کیا دیکھوں
شکستِ رنگِ رخِ کائنات نے مارا

جمالِ مطلقِ بے نام کی دہائی ہے
فریبِ ذات نے لوٹا صفات نے مارا

ہلاکِ تلخیِ تاخیرِ موت ہوں، فانی
ثباتِ زندگیِ بے ثبات نے مارا

اللہ رے فسوں گر تیری آنکھوں کا اشارا
پھر دل نے لیا، دردِ محبت کا سہارا

موجوں سے بھی گزرے، نہ دریا کو بھی دیکھا
ملتا ہے کہیں، بحرِ محبت کا کنارا

احساسِ محبت ہی مری موت ہے فانی
اس زندگیِ دل نے مجھے جان سے مارا

ساقی اسی میں ڈال دے سب زندگی کے غم
آیا ہے آج ہاتھ میں ساغر شراب کا

لالے پہ جھک پڑی ہے گل یاسمیں کی شاخ
یا دستِ نازنیں میں ہے ساغر شراب کا

ناوکِ ناز ترا کوئی خطا کرتا ہے
اُڑ گیا ایک اشارے میں نشانہ دل کا

حسرتیں جن کے نکلنے کی نہیں کچھ امید
ڈھونڈتی پھرتی ہیں سینے میں ٹھکانہ دل کا

ہائے وہ حسن تجھے مشقِ ستم بیجا کی
ہائے وہ روز نئے ظلم اٹھانا دل کا

ہائے وہ جوشِ جنوں ہائے وہ وحشت افشانی
یاد آتا ہے ہمیں، ہائے زمانہ دل کا

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

مختصر قصۂ غم یہ ہے کہ دل رکھتا ہوں
رازِ کونین، خلاصہ ہے اس افسانے کا

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ، مرے مر جانے کا

تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو نہ تماشا مرے غم خانے کا

اب اسے دار پہ لے جا کے سلا دے ساقی

یوں بہکنا نہیں اچھا ترے مستانے کا

دل سے پہونچی تو ہیں آنکھوں میں لہو کی بوندیں
سلسلہ شیشے سے ملتا تو ہے پیمانے کا

ہڈیاں ہیں کئی لپٹی ہوئی زنجیروں میں!
لیے جاتے ہیں جنازہ، ترے دیوانے کا

ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانیؔ
زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

○

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا
ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا

حسن ہے ذات مری، عشق صفت ہے میری
ہوں تو میں شمع، مگر بھیس ہے پروانے کا

کعبہ کو دل کی زیارت کے لیے جاتا ہوں
آستانہ ہے حرم میرے صنم خانے کا

وحدت حسن کے جلووں کی یہ کثرت اے عشق
دل کے ہر ذرے میں عالم ہے پری خانے کا

چشم ساقی، اثر مے سے نہیں ہے گل رنگ
دل مرے خون سے لبریز ہے پیمانے کا

لوح دل کو، غم الفت کو قلم کہتے ہیں!

"کن" ہے انداز رقم، حسن کے افسانے کا

ہم نے چھانی ہیں بہت دیر و حرم کی گلیاں

کہیں پایا نہ ٹھکانا ترے دیوانے کا

کس کی آنکھیں دم آخر مجھے یاد آتی ہیں

دل مرقع ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کا

کہتے ہیں کیا ہی مزے کا ہے فسانہ فانی

آپ کی جان سے دور آپ کے مرجانے کا

○

ٹوٹا طلسم ہستی فانی کے راز کا — احساس ہوں الم جاں گداز کا

تمہید صد ہزار قیامت ہے ہر نفس — عنوان شوق ہوں گلہ ہائے دراز کا

عبرت سرائے دل میں ہوں آئینہ دوربیں — مارا ہوں خاطر حسرت نواز کا

اٹھتی نہیں ہے تہمت نظارۂ جمال — منہ دیکھتا ہوں جلوۂ نظارہ ساز کا

نا آشنائے لطف ہوں، بیگانۂ عتاب — صورت شناس ہوں نگہ امتیاز کا

احساس خیر باد گوارا ہوا مجھے — لا جام ساقیا ئے نیا گداز کا

فانی دوائے درد جگر زہر تو نہیں — کیوں ہاتھ کانپتا ہے مرے چارہ ساز کا

○

مل گیا زنداں برا ہو نالۂ شبگیر کا

چونک اٹھا گجر لگے ہر حلقہ مری زنجیر کا

میری تدبیروں کی مشکل اب تو یارب سہل کر

کیا یہ ساری عمر منہ تکتی رہیں تقدیر کا

میرے دل سے پوچھتے ہیں آپ کیا وجہ خلش
یاد ہے تم ہو گیا تھا کوئی پیکاں تیر کا

عشق کا بھی کیا تصرف ہے کہ دل اب دل نہیں
آئینہ ہے غم کی جیتی جاگتی تصویر کا

آپ کی آزردگی بے سبب بھی خوب ہے
کیا مزے کا ہے تقاضہ عذر بے تقصیر ہے

آپ کی آزردگی بے سبب بھی خوب ہے
کیا مزے کا ہے تقاضہ، عذر بے تقصیر کا

کس نظر سے تم نے دیکھا اپنے دامن کی طرف
کانپ اٹھا ہر ذرہ، میری خاک دامنگیر کا

برق کو اب کیا غرض کیا رہ گیا کیا جل گیا
جل گیا، خرمن میں جو کچھ تھا مری تقدیر کا

فکر راحت چھوڑ بیٹھے ہم تو راحت مل گئی
ہم نے قسمت سے لیا، جو کام تھا تدبیر کا

نامرادی حد سے گزری، حال فانی کچھ نہ پوچھ
ہر نفس ہے، اک جنازہ آہ بے تاثیر کا

○

یہ نیاز عشق ہے اور وہ ہے ناز ان کا
موت راز عاشق ہے زندگی ہے راز ان کا

لطف اضطراب اٹھے یا مزا نقاب اٹھے

کیا پیام لائی ہے آپ شب درازاں کا

دل پہ جو نگاہیں تھیں، رفتہ رفتہ آہیں تھیں

عشق بن گیا آخر، حسن جلوہ سازاں کا

وہ نگاہ پھر اٹھ کر، آئینے سے ٹکرائی

صرف تازیانہ ہے، پھر سمند نازاں کا

وہ ستم نہیں کرتے، یوں کرم نہیں کرتے

لطف خاص، بے منت، چاہتا ہے نازاں کا

رفتۂ نظر ہو جا، سب سے بے خبر ہو جا

کھل گیا ہے راز اپنا کھل نہ جائے راز ان کا

موت کو تو ہوں فانی، جان دی نہیں جاتی

ڈھونڈے ہے کوئی حیلہ یہ بہانہ بازاں کا

○

جمال، بے حجاب تھا کہ جلوہ تھا حجاب کا

کلیم برق طور تھی، کہ تار تھا نقاب کا

بتائیے نہ حال دل، نہ حال پوچھتا ہوں میں

ہاں پوچھتا ہوں میں، دل وفا خراب کا

تجلیات وہم ہیں، مشاہدات آب و گل

کرشمہ حیات ہے خیال، وہ بھی خواب کا

(۴۳)

دل اذیت آفریں، زبینِ امتحاں نہیں!
خدائے بے نیاز ہے جہانِ اضطراب کا
خطاب روزِ حشر کی صدائے بازگشت ہوں
جواب بے سوال ہوں، سوال بے جواب کا
جہان بے سکون ہیں، سکون ہی سکون تھا
مری نگاہ مضطرب ہے رازِ انقلاب کا
وہ صرف صد یقین سہی حیات پھر حیات ہے
کہاں سے لاؤں اعتبار مرگ کامیاب کا

○

گل ہیں وہ اب نہیں ہے جو عالم تھا خار کا
اللہ کیا ہوا، وہ زمانہ بہار کا
ہر ذرہ جلوہ گاہ ہے، ہر دل ہے چشم شوق
اللہ رے اہتمام، تماشائے یار کا
چاہتا ہوں آج بھی، خلش خلش نوک خار ہیں
بھولا نہیں ہوں، لطف تبسم بہار کا
تنکوں سے کھیلتے ہی رہے آشیاں میں ہم
آیا بھی اور گیا بھی زمانہ بہار کا
آئی ہے اے نسیم تو اس وقت تک ٹھہر
جب تک بجھے چراغ، ہمارے مزار کا

میں نزع میں ہوں، عہد وفا کا محل نہیں
وعدہ نہ کر کہ وقت نہیں اعتبار کا

جو تیری یاد میں نہ بسر ہو، وہ ہر نفس
اک واہمہ ہے، زندگیٔ مستعار کا

یہ دردِ لا علاج محبت، دوا ابھی ہے!
تھا، ورنہ کچھ علاج غم روزگار کا

فانیؔ یقینِ وعدۂ فردا کو کیا کہوں
اب زندگی ہے نام فقط انتظار کا

جگر خراش ہے حال ان تباہ حالوں کا
جنہیں مٹا کے رہا حوصلہ خیالوں کا

کیا سوال تو آواز بازگشت آئی
جواب مجھ سے طلب ہے میرے سوالوں کا

جنوں شکوۂ بیداد پہ خدا کی مار
اثر کے ساتھ گیا اعتبار نالوں کا

تعینات کی حد سے گزر رہی ہے نگاہ
بس اب خدا ہی خدا ہے نگاہ والوں کا

کسی کی غم کی کہانی ہے، زندگی فانیؔ
زمانہ ایک فسانہ ہے مرنے والوں کا

نام بدنام ہے ناحق شب تنہائی کا
وہ بھی اک رخ ہے تری انجمن آرائی کا

آچلا ہے مجھے کچھ وعدۂ فردا کا یقین
دل پہ الزام نہ آجائے شکیبائی کا

اب نہ کانٹوں سے ہی کچھ لاگ نہ پھولوں سے لگاؤ
ہم نے دیکھا ہے تماشا تری رعنائی کا

دونوں عالم سے گزر کر بھی زمانہ گزرا
کچھ ٹھکانہ بھی ہے اس بادیہ پیمائی کا

خود ہی بیتاب تجلی ہے، ازل سے کوئی — دیکھنے کے لئے پردہ ہے تمنائی کا
لگ گئی پھیر پہ دیوانہ جدھر سے گزرا — اک عالم کو ہے سودا ترے سودائی کا
پھر اسی کافر بے مہر کے در پر فانی
لے چلا شوق مجھے ناصیہ فرسائی کا!

شکوہ سمجھو، نہ کم نگاہی کا — حال دیکھو مری تباہی کا
دے غم عشق دل کو غم سے پناہ — واسطہ اپنی بے پناہی کا
دوسرا نام ہے، شب فرقت — میری تقدیر کی سیاہی کا
بخش دے جبر کے صدقے میں — ہر گنہ، میری گناہی کا
آپ کا نام لینے والوں کو — فقر کا ہوش ہے نہ شاہی کا
فطرت اختیار، حشر کے دن — آسرا ہے تری گواہی کا
کیا کہوں جی رہا ہوں کیوں فانی — مقتضا، حکمت الٰہی کا

دل کو سمجھا کر روح کو تن سے حکم نہ دے آزادی کا
.... کوئی تماشا دیکھنے والا چاہیے اس بربادی کا
یوں تیرے غم نے دل میں جگہ کی گویا دے دی غم سے نجات
دید کے قابل منظر ہے، اس آمد غم کی شادی کا
ظالم سے تم توبہ نہ کرو گے، آہ سے کیوں باز آئیں ہم
تم نہ سہی فریادی کے، اللہ تو ہے فریادی کا

یاد ہے وہ نومیدی میں، ہلکی سی جھلک امیدوں کی
ہائے وہ دل کے ویرانے پر دھوکا سا آبادی کا
فانی جب دل پاس نہ ہو تو لطف تماشا کچھ بھی نہیں
حال کسی سے کیا کہیے، کشمیر کی وحشت [illegible] کا

جذبہ محبت بھی کیا شے ہے، ان کا بھلا ہو نہ سکا
وہ میرے دل سے کیا چھپتے، آنکھوں سے کہیں بھی پردہ ہو نہ سکا
عزت، رسوائی بھی کہیں تدبیر سے حاصل ہوتی ہے!
حیف ہے اس کی قسمت پر، جو عشق میں رسوا ہو نہ سکا
یاس و امید سے کام نہ نکلا، دل کی تمنا دل میں رہی!
ترک تمنا کر نہ سکے، اظہار تمنا ہو نہ سکا
جس سے دل میں زخم پڑے تھے، پھر وہ نظر مرہم نہ ہوئی
تم نے جسے اچھا نہ کیا، پھر تم سے بھی اچھا ہو نہ سکا
جان دم رخصت ہی نہ دی، تو فانی تجھ سے کیا امید
ہجر کی پہلی فرصت میں بھی تجھ سے اتنا ہو نہ سکا

تیری ترچھی نظر کا تیر ہے مشکل سے نکلے گا
دل اس کے ساتھ نکلے گا، اگر یہ دل سے نکلے گا
شب غم میں بھی، میری سخت جانی کو نہ موت آئی

ترا کام اے اجل، اب خنجرِ قاتل سے نکلے گا

نگاہِ شوق، میرا مدعا اتواں کو سمجھا دے
مرے منہ سے تو حرفِ آرزو مشکل سے نکلے گا

کہاں تک کچھ نہ کہیے اب تو نوبت جان تک پہنچی
تکلفِ برطرف اے ضبطِ نالہ دل سے نکلے گا !

تصور کیا ترا آیا، قیامت آگئی دل میں !
کہ اب ہر ولولہ باہر مزارِ دل سے نکلے گا

نہ آئیں گے وہ تب بھی دم نکلے جائے گا اے فانی
مگر مشکل سے نکلے گا بڑی مشکل سے نکلے گا

○

جسے ترکِ حسرت کا ارمان ہوگا | پشیمان سادہ پشیمان ہوگا
ادائے تغافل کے مارے ہوؤں پر | ستم بھی کروگے تو احسان ہوگا
جسے لوگ کہتے ہیں، عشاق کا دل | وہ تیرے ہی ملنے کا ارمان ہوگا
ترے عہد آزاد میں، جوشِ وحشت | گریباں گویا گریبان ہوگا
نہیں کچھ وفا ہی پہ موقوف ظالم | مرے بعد تو بھی پشیمان ہوگا

برا تو نہیں خواہ کچھ بھی ہو فانی
وہ کافر نہ ہوگا مسلمان ہوگا

○

بے اجل کام نہ اپنا کسی عنواں نکلا | دم تو نکلا، مگر آزردہ احساں نکلا

آگئی ہے ترے بیمار کے منہ پر رونق
جان کیا جسم سے نکلی، کوئی ارماں نکلا

دل آگاہ سے کیا کیا ہمیں امیدیں تھیں
وہ بھی قسمت سے چراغ تہ داماں نکلا

دل بھی منہ سے بس اک آہ نکل جانے تک
آگ سینے میں لگاکر غم پنہاں نکلا

چارہ گر ناصح مشفق دل بے صبر و قرار
جو ملا عشق میں غمخوار دہ، وہ ناداں نکلا

شکوہ منظور نہیں، تذکرہ عشق نہ چھیڑ
کہ وہ در پردہ مرا حال پریشاں نکلا

بجلیاں، شاخ نشیمن پر بھی جاتی ہیں
کیا نشیمن سے کوئی سوختہ ساماں نکلا

اب جنوں سے بھی توقع نہیں آزادی کی
چاک داماں بھی، بہ اندازہ داماں نکلا

ہائے وہ وعدۂ فردا کی مدد وقت اخیر
ہائے وہ مطلب دشوار کہ آساں نکلا

شوق بیتاب کا انجام، تحیر پایا!
دل سمجھتے تھے جسے، دیدۂ حیراں نکلا

اس نے کیا سینہ صد چاک سے کھینچا فانی
دل میں کہتا ہوں وہ کہتا ہے کہ پیکاں نکلا

وائے نادانی، یہ حسرت تھی کہ ہوتا در کھلا
ہم قفس، راز اسیری، کیا کہیں کیوں کر کھلا

فرصت رنج اسیری دی نہ ان دھڑکنوں نے ہائے
اب چھری صیاد نے لی، اب قفس کا در کھلا

اللہ اللہ اک دعائے مرگ کے وہ دو دو اثر!
واں کھلا باب اجابت یاں قفس کا در کھلا

اف اس آزادیٔ بے ہنگام کی مجبوریاں
میں قفس کے پاس ہوں بیٹھا ہوا رستہ کھلا

بند ہے باب قفس، ہو سر تو ٹکرائے جائیے
ہم نے دیکھا ہے قفس کی تیلیوں میں در کھلا

حکم تو کیا صیاد، بیتابی سوا ہو جائے گی
تو نے ناحق تیلیوں میں رکھ دیا خنجر کھلا

آسماں گر ہم بلا لیں چاہیے کیسا قفس
بجلیوں کے اک اشارے میں قفس کا در کھلا

ہجر ساقی میں ہمارے گھر کی کیفیت نہ پوچھ
بند در، ہر شیشہ خالی، دل بھرا ساغر کھلا

لکھ چکے ہم جا چکا خط، گر یہی حالت رہی
ہاتھ سے آیا قلم، اور شوق کا دفتر کھلا

دل میں ہم اشکوں میں خود صورت بنی حاضر ہیں
وہ نگہ، اف وہ مژہ ناوک چھپا نشتر کھلا

دم بخود، ہنسنے کا عالم، مردنی چھائی ہوئی
رنگ میری زندگی کا میری میت پر کھلا

دیکھیے کیا گل کھلاتی ہے بہار اب کے برس
خواب میں فانی نے دیکھا ہے قفس کا در کھلا

○

دل گیا، غم دنیا گیا، اس درد محبت نے
ایک ایک حقیقت کو افسانہ بنا ڈالا

ہر پھول کی نکہت میں کیفیت ہے بھر بھر کر
ساقی نے گلستاں کو میخانہ بنا ڈالا

وہ شمع ہے تو جس نے اس آئینہ خانے میں
اپنی ہی تجلی کو پروانہ بنا ڈالا

○

کسی کے ایک اشارے میں کس کو کیا نہ ملا
بشر کو زیست ملی، موت کو بہانہ ملا

مذاق تلخ پسندی، نہ پوچھ اس دل کا
بغیر مرگ جسے زیست کا مزا نہ ملا

دبی زبان سے مرا حال چارہ ساز نہ کہہ
بس اب تو زہر ہی دے، زہر میں دوا نہ ملا

خدا کی دین نہیں ظرف خلق پر موقوف
یہ دل بھی کیا ہے جسے درد کا خزانہ ملا

دعا گدائے اثر ہے، گدا پہ تکیہ نہ کر
کہ اٹھا تو اثر گیا، ملا ملا، نہ ملا

ظہورِ جلوہ کو ہے ایک زندگی درکار | کوئی اجل کی طرح دیدہ آشنا نہ ملا
تلاش خضر میں ہوں، رہ شناس خضر نہیں | مجھے یہ دل سے گلہ ہے کہ رہنما نہ ملا
نشانِ مہر ہے ہر ذرہ ظرف مہر نہیں | خدا کہاں نہ ملا اور کہیں خدا نہ ملا
مری حیات ہے محروم، مدعائے حیات | وہ رہ گزر ہوں جسے کوئی نقش پا نہ ملا
وہ نامراد اجل، بزم یاس میں بھی نہیں | یہاں کبھی فانی آوارہ کا پتہ نہ ملا

عقل سے کام بھی لے، عشق پہ ایمان بھی لا
دل ہی نذر نگہ ناز نہ کر جان بھی لا

تیری آمد کے تصدق ترے جلووں کے نثار
آ مری قبر پہ آ حشر کا سامان بھی لا

تو نے دل دے کے ہمیں اک شان ہوس پیدا کی
ان کا بندہ ہے، تو نادان، وہی شان بھی لا

غم شوریدگی عشق کی تکمیل بھی کر!!
رنج ناکامی دل کے لئے ارمان بھی لا

جب سے اک تار بھی دامن میں سلامت نہ رہا
جوش وحشت کا تقاضا ہے گریبان بھی لا

داد نظارہ تو دی اب جو حقیقت ہے وہ سن
بزم عالم میں فقط آنکھ نہ لا کان بھی لا

تجھ کو پھبتا نہیں، اسلام کا دعوی فانی
ورنہ وہ غیرت اسلام بھی لا آن بھی لا

ہے شانِ عبودیت مصروفِ دعا ہونا
منظورِ مشیت تھا ہر نالہ رسا ہونا

بنیادِ جہاں کیا ہے، مجبورِ فنا ہونا
سرمایہ ہستی ہے، محرومِ بقا ہونا

نہیں منظور تپِ ہجر کا رسوا ہونا
تیرے بیمار کا اچھا نہیں اچھا ہونا

ناصحا وسعتِ کاشانۂ جنوں خیر نہیں
ورنہ کیا فرض ہے آوارۂ صحرا ہونا

بس، اب اے ضبط، زیادہ مجھے محجوب نہ کر
ہے مری آنکھ کی تقدیر میں دریا ہونا

کس سے کھلے ہیں تری زلف گرہ گیر کے بل
کوئی آسان ہے یہ عقدۂ دل وا ہونا

نگہ ناز کو آساں، دمِ خنجر بننا
لبِ جاں بخش کو دشوار مسیحا ہونا

ہائے باتوں میں تری لغزشِ مستانہ ناز
ہائے آنکھوں میں تری نشۂ صہبا ہونا

ہمہ تن داغِ غمِ عشقِ بتاں ہوں فانی
دل سے بھاتا ہے مجھے نقشِ سویدا ہونا

حاصلِ علمِ بشر جہل کا عرفاں ہونا
عمر بھر عقل سے سیکھا کئے ناداں ہونا

جا نہ زنجیرِ عناصر پہ ہے، زنداں موقوف
وحشتِ عشق، ذرا سلسلہ جنباں ہونا

دل میں اک لرزشِ پیہم ہے سراپا یعنی
تیرے آئینے کو آتا نہیں حیراں ہونا

فالِ افزونئ مشکل ہے ہر آسانی کا
میری مشکل کو مبارک کہ نہیں آساں ہونا

راحتِ انجامِ غم اور راحتِ دنیا معلوم
لکھ دیا دل کے مقدر میں پریشاں ہونا

دے ترا حسنِ تغافل جسے جو چاہے فریب
ورنہ تو اور جفاؤں پہ پشیماں ہونا

ہائے وہ جلوۂ ایمن، وہ نگاہِ سرِ طور
فتنہ ساماں ہے ترا فتنہ ساماں ہونا

خاکِ فانی کی قسم ہے تجھے اے دشتِ جنوں
کس سے سیکھا ترے ذروں نے بیاباں ہونا

پھر ذوقِ تماشا کو مرہونِ اثر فرما
فرصت ہو، تو پھر بھی پھر قصدِ نظر فرما

یہ تیری خموشی بھی، گو عینِ تکلم ہے
مشتاقِ تکلم سے کچھ پھر بھی مگر فرما

فرمانِ سحر تیرا ہر شام پہ جاری ہے
یارب شبِ غم کو تاکب بے سحر فرما

فانی نے تجھے چاہا تو بندہ نوازی کر
فانی نے خطا کی ہے تو قطعِ نظر فرما

کمالِ ہوش ہے یوں بے نیازِ ہوش ہو جانا
ترے آغوش میں، بیگانۂ آغوش ہو جانا

ہمیں تیری محبت میں فقط دو کام آتے ہیں
جو رونے سے کبھی فرصت ہوئی خاموش ہو جانا

وہی برقِ تجلی کارفرما، اب بھی ہے لیکن
نگاہوں کو میسر ہی نہیں بے ہوش ہو جانا

شبِ وعدہ، خدا ناکردہ وہ آئیں نہ موت آئے
تو پھر اے زندگی، تو موت کا آغوش ہو جانا

خدا رکھے شرارِ عشق کو وہ شمعِ سوزاں دل
جلے جانا جسے ممکن ہے یا خاموش ہو جانا

بہار اپنی چمن، اپنا، قفس کی تیلیوں تک ہے
مبارک نکہتِ گل کو چمن بردوش ہو جانا

خدا دشمن کو بھی یہ خواب سحر دھی نہ دکھلائے
ادھر ایمائے پرسش، اور ادھر خاموش ہو جانا
قیامت ہے، یہ ٹکڑا داستان عشق کا، یعنے
مرے راحت طلب دل کا، اذیت کوش ہو جانا
مرقع ہے کسی ہستی موہوم کا فانی!
وہ ان کا دیکھتے ہی دیکھتے روپوش ہو جانا

فضائے شوق کا وہ شعلہ راز نور ہو جانا
وہ اک اک ذرہ دنیائے دل کا طور ہو جانا
مجھ ہی پر منحصر ٹھہرا، مرا مجبور ہو جانا
مری ہستی ہے خود اپنی نظر سے دور ہو جانا
اسیر بند دل ہو کر، غم دنیا سے فارغ ہوں
مری آزادیوں کا راز ہے، مجبور ہو جانا

کہتا ہے غم یار، میں ہوں جان تمنا! — دنیا ہے مری عالم امکان تمنا
مضمون تو مکتوب ازل کا نہیں معلوم — لکھا ہے مرے خون سے عنوان تمنا
آہستہ گزر صرصر غم دادیٔ دل میں — برباد نہ کر خاک شہیدان تمنا
جز داغ نہیں کوئی چراغ سر تربت — سینہ ہے مرا گور غریبان تمنا
ہے یاد تری، رونق خلوت گہ خاطر! — ہے ذکر ترا شمع شبستان تمنا
نالے ہیں، نہ آہیں نہ خلش ہے نہ تپش ہے — باقی نہ رہا کوئی زبان دان تمنا

کیفیت ناکامیِ دل کیا کہوں فانیؔ
دل ٹوٹ گیا ٹوٹ کے پیمانِ تمنا

* * *

کچھ کم تو ہوا رنجِ فراوانِ تمنا
آغازِ جنوں گو نہیں پایانِ تمنا

پھر یاس نے رکھا ہے قدم خانۂ دل میں
یعنی ہے اب اللہ نگہبانِ تمنا

گو چاک ہوا دل، مگر ارمان نہ نکلے
بے فائدہ کھولا درِ زندانِ تمنا

افسانہ مرا خوابِ زلیخائے محبت
جلوہ ہے ترا یوسفِ کنعانِ تمنا

جز وعدۂ باطل نہیں بنیاد کچھ اس کی
دل کانپ اٹھا دیکھ کے ایوانِ تمنا

اک جان ہے وہ خیر سے وارفتۂ غم ہے
اک دل ہے سو وہ ہے سوختہ سامانِ تمنا

فانیؔ کا دم ایک دم تو ہے قدموں پہ نکلا
دل کی یہ تمنا ہے، اب اے جانِ تمنا

* * *

مدت سے ہے دل خانۂ ویرانِ تمنا
اب کوئی تمنا ہے، نہ سامانِ تمنا

سمجھو تو بہت فرق ہے اغیار میں مجھ میں
ہیں آپ پہ قربان، وہ قربانِ تمنا

پہلو بھی بدلتے نہیں پلتے مرے ارمان
اب ضبط ہے دل ہے او پشتانِ تمنا

کیا چارہ گرو؟ اب بھی تجھے امیدِ شفا ہے
یہ زخم ہے یہ دل ہے یہ پیکانِ تمنا

آلودہ نہیں خونِ تمنا سے وہ دامن
رنگین ہے مرے خون سے دامانِ تمنا

اللہ بچائے نظرِ یاس سے دل کو
امید ہے پھر سلسلہ جنبانِ تمنا

یہ سحر ہے فانیؔ غمِ عشق ہے کیا ہے
دل قطرۂ خوں جس میں یہ طوفانِ تمنا

* * *

میں ندامت جان کر خوش ہوں یہ منظر دیکھنا
وہ مجھے تڑپا کے تیرا پھر نہ مڑ کر دیکھنا

دیدنی ہے رنگ دل میں ڈوب کر کھنچنے کے بعد
تم ابھی کیا دیکھتے ہو، تم کے خنجر دیکھنا

ذکر خورشیدِ قیامت اس کے واعظ کیا کہوں
خیر اس تر دامنی کو، روزِ محشر دیکھنا

ماسوائے دل میں، اک ہنگامہ برپا کر گیا!
چشم کافر کا وہ دل نے کر، مکرر دیکھنا

سانس کے جو آخری جھٹکوں میں ٹکڑے ہو گئیں
ہائے ان ناشاد آہوں کا مقدر دیکھنا

میرے دل کو چین آ جانے کی ضامن موت ہے
تم کسی دن، نبضِ دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھنا

مژدۂ فصلِ گل کا، لائے تو فصلِ بہار!
ہر گھڑی زنجیر کی زنداں سے باہر دیکھنا

جب ذرا پردے سے جھانکا بجلیاں گرنے لگیں
ہے، یہ کوئی دیکھنے میں، بندہ پرور دیکھنا

تشنہ لب بھی تھا ہیں ساقی جاں سے بیزار بھی
ساغر، اور پھر زہر سے لبریز ساغر دیکھنا

صبح تک فانی ہر آوازِ شکستِ دل کے ساتھ
کیا قیامت تھا وہ تیرا جانبِ در دیکھنا

آشنا رسمِ جنوں سے نہیں، سودا اپنا!
عالمِ ہوش کا ہر ذرہ ہے صحرا اپنا

حسن بیتاب تجلی ہے اور آنکھیں محروم
تھا مگر شوق ہی، انکار تقاضا اپنا

کیوں فلک سے کوئی گردش میں ہے گردش کی ہنوز
تجھ سے بدلا نہ گیا، رنگ تمنا اپنا!

دل ناکام، تری یاد سے نومید نہیں
گل بداماں ہے ابھی، خار تمنا اپنا

جا کے شاید پلٹ آتا ہوں کہ منزل کے قریب
نظر آتا ہے مجھے نقش کفِ پا اپنا

عجزِ نظارہ ترے حسن کا پردہ ہے تو خیر
اسی پردہ سے دکھاوے رخِ زیبا اپنا

دل بیتاب کو پیغامِ سکوں ہے فانیؔ
چشم بد دور، غم حوصلہ فرسا اپنا

○

کیا چھپاتے، کسی سے حال اپنا
جی ہی جب ہو گیا نڈھال اپنا

ہم ہیں اس کے خیال کی تصویر
جس کی تصویر ہے خیال اپنا

وہ بھی اب غم کو غم سمجھتے ہیں
دور پہنچا مگر ملال اپنا

تو نے رکھ لی گنہگار کی شرم
کام آیا، نہ انفعال اپنا

دیکھ دل کی زمیں لرزتی ہے
یادِ جاناں، قدم سنبھال اپنا

موت بھی تو نہ مل سکی فانیؔ!
کس سے پورا ہوا سوال اپنا

○

بے خودی پہ تھا فانیؔ کچھ نہ اختیار اپنا
عمر بھر کیا ناحق، ہم نے انتظار اپنا

تابِ ضبطِ غم نے بھی، دے دیا جواب آخر
ان کے دل سے اٹھنا ہے آج اعتبار اپنا

عشق زندگی ٹھہرا، لیکن اب یہ مشکل ہے
زندگی سے ہوتا ہے عہد استوار اپنا

شکوہ بر ملا کرتے خیر یہ تو کیا کرتے
ہاں مگر جو بن پڑتا شکوہ ایک بار اپنا

غم ہی جی کا دشمن تھا غم سے دور رہتے کیسے
غم ہی رہ گیا، آخر ایک غمگسار اپنا

لے گیا چمن کو بھی، موسم بہار آ کر
اب قفس کا گوشہ ہی، حاصل بہار اپنا

جھوٹ ہی سہی، وعدہ کیوں یقین کر لیتے
بات تھی دل فریب ان کی، دل امیدوار اپنا

انقلاب عالم ہیں، ورنہ، دیر ہی کیا تھی
ان کے آستاں تک تھا خیر سے غبار اپنا

دل ہے مضطرب فانی آنکھ محو حیرت ہے
دل نے دیدیا شاید، آنکھ کو قرار اپنا

کیوں نہ سب پہ ہو جاتا حال دل عیاں اپنا
ہر سکوت بے جا کی تہ میں تھا بیاں اپنا

دل سے کچھ امیدیں تھیں وہ بھی اٹھیں کاہے
کاش عشق میں ہوتا دل ہی رازداں اپنا

تیرے در سے اٹھ کر ہم جائیں تو کدھر جائیں
اب زمیں اپنی ہے، اور نہ آسماں اپنا

فصل گل جو یاد آئی، آشیاں بھی یاد آیا
فصل گل میں اجڑا تھا، شاید آشیاں اپنا

تھا حریم نازاں کا، دل کی آخری منزل
ہم نے ان کو ڈھونڈا تھا مل گیا نشاں اپنا

بجلیوں سے، غربت میں، کچھ بھرم تو باقی ہے
جل گیا مکاں، یعنی تھا کوئی مکاں اپنا

زندگی کب اپنی ہے، موت کس کے بس کی ہے
ہجر میں بنا لیتے ہیں، کس کو مہرباں اپنا

اس نے دل کی حالت کا کیا اثر لیا ہو گا
دل نے کیا کہا ہو گا، دل ہے بے زباں اپنا

نقش سجدہ، گھبرا کر کیوں مٹائے دیتے ہو
اس میں کیا نظر آیا، سنگ آستاں اپنا

پھر بھی، نارسا ٹھہرا، اور کیا رسا ہوتا!
عرش سے پرے پہونچا، شور الاماں اپنا

گھر ہے اب قفس فانی گھر کبھی چمن بھی تھا
ہاں کبھی وطن بھی تھا اب وطن کہاں اپنا

○

مشغلہ چاہیے کوئی غم و راحت کے سوا
حسرت اب کوئی نہیں صبر کی حسرت کے سوا

کیا ہوئیں داورِ محشر وہ خطائیں میری
کچھ نہیں فردِ عمل میں تری رحمت کے سوا

غم کے بھڑکتے شعلوں سے جب جل کے کلیجہ خاک ہوا!
داغ وجود حسرت سے تب کا دامن چاک ہوا

حال پہ میرے فرش کے ذرے عرش کے تارے روتے ہیں
آپ کی پلکیں تو کیا ہوتیں کوئی پلک نم ناک ہوا

میرے سوا تھے اور جو پردے سارے کے سارے چاک ہیں
یہ بھی اگر اللہ نے چاہا کوئی دم میں چاک ہوا

کیا بلا بھی ادائے پرستش یار — مجھ سے اظہار مدعا نہ ہوا
وہ قیامت اٹھائے پھرتے ہیں — آسماں آج زیر پا نہ ہوا

قربان عشق، موت بھی آئی تو کیا ہوا — اس تیر بے خطا کا نشانہ خطا ہوا
کیوں خون دل لگی ہی لگی جگر میں آگ — اے ننگ عاشقی تری غیرت کو کیا ہوا
قاتل سنبھل، کہ یہ نگہ واپسیں نہیں! — خنجر ہے میرے دل کے لہو میں بجھا ہوا
اب جذب بیخودی ترے قربان جائیے — پھرتا ہے دل میں کوئی مجھے ڈھونڈتا ہوا
طوفاں ہی ایک کیا مجھے طوفاں سے کم نہیں — لنگر ہوا سفینہ ہوا، ناخدا ہوا
فانی طلسم راز حقیقت یہ ہے کہ ہے — تجھ پر تری نگاہ کا پردہ پڑا ہوا

یہ ضبط گلہ ادب آموز امتحاں نہ ہوا
کوئی ستم، کبھی تقریب الاماں نہ ہوا

سبک سری ہے، ترے عشق سے سبکدوشی
بلائے جاں ہے وہ دل جو بلائے جان ہوا
اجل کے زیر اثر ہو، وہ نقش ہستی کیا
ہوا کہ برق کے سایہ میں آشیاں نہ ہوا
کسی کی پرسشِ پنہاں سے کیوں ہو داد طلب
وہ حال جو کبھی منّت کش زباں نہ ہوا
فغاں نے کوئی اثر تو کیا، یہ کیا کم ہے
یہی سہی، کہ وہ آزردۂ فغاں نہ ہوا
دل آپ یار سے روداد غم کہے تو کہے
مری زباں سے تو یہ ماجرا بیاں نہ ہوا
جہاں جہاں میں نہیں، یاد یار دل میں نہیں
جمال یار کا چرچا، کہاں کہاں نہ ہوا
ہر آن، فتنہ ہے ہر فتنہ اک قیامت ہے
ترا شباب ہوا، دور آسماں نہ ہوا
ہمیں ابھی ترے اشعار یاد ہیں فانیؔ
ترا نشاں نہ رہا، اور بے نشاں نہ ہوا

○

دم حریف زوال غم نہ ہوا — مرتے مرتے یہ درد کم نہ ہوا
جھک گیا تیرے آستاں پہ جو سر — پھر کسی آستاں پہ خم نہ ہوا

نگہ قہر خاص ہے مجھ پر — یہ تو احساں ہوا، ستم نہ ہوا
رہ گئی حسرت وفا باقی — دل کو اندازہ ستم نہ ہوا
اب کرم ہے تو یہ گلہ ہے مجھے — کہ مجھی پر ترا کرم نہ ہوا
عشق میں زندگی کا ساری عمر — کون ساماں ہی بہم نہ ہوا
بت نے ہر رنگ میں خدائی کی — دل، مگر دیر سے حرم نہ ہوا
دم کبھی فانی کسی کے غم تک ہے — دم نہ ہوگا اگر یہ غم نہ ہوا

جمال، خود رخ بے پردہ کا نقاب ہوا!
نئی ادا سے نئی وضع کا حجاب ہوا

ملا ازل میں مجھے، میری زندگی کے عوض!
وہ ایک لمحۂ ہستی کہ صرف خواب ہوا

سکون قلب، میسر ہے، موت ہی سے سہی
غرض کہ خاتمۂ رنج اضطراب ہوا

وہ جلوۂ صفت نظر تھا، نظر کو کیا کہیے
کہ پھر بھی ذوق تماشا نہ کامیاب ہوا

الٹ گئی، مری امید و بیم کی دنیا
یہ کیا نظام تمنا میں انقلاب ہوا

گنہ گار سہی، دل، مگر قصور معاف
ظہور عشق با اندازۂ حجاب ہوا

قضا کو مژدہ فرصت کہ فانی مہجور
شہید کشمکش صبر و اضطراب ہوا

○

وحشت عشق نے جب ہوش میں لانا چاہا
عقل کج فہم نے دیوانہ بنانا چاہا
ہم کو مرنا بھی میسر نہیں، جینے کے بغیر
موت نے عمر دو روزہ کا بہانا چاہا
پھر کچھ اے بے خبری تجھ میں کمی ہوتی ہے
درد نے کیا مجھے پھر ہوش میں لانا چاہا

○

حال دل، کس امید پر کہیے
جب تمہیں اعتبار ہی نہ رہا
بیقراری کہاں، کہ دل ہی نہیں
ہائے وہ بے قرار ہی نہ رہا
دل کی اب روک تھام کون کرے
ضبط پر اختیار ہی نہ رہا
اب کوئی آرزو نہیں فانی
دل امیدوار ہی نہ رہا

○

بے اعتبار وعدۂ فردا نہیں رہا
اب یہ بھی زندگی کا سہارا نہیں رہا
تم مجھ سے کیا پھرے کہ قیامت سی ہو گئی
یہ کیا ہوا کہ کوئی کسی کا نہیں رہا
کیا کیا گلے نہ تھے کہ ادھر دیکھتے نہیں
دیکھا تو کوئی دیکھنے والا نہیں رہا
آہیں، ہجوم یاس ہیں، کچھ ایسی کھو گئیں
دل آشنائے درد ہی گویا نہیں رہا

اللہ رے چشم ہوش کی کثرت پرستیاں — ذرے ہی رہ گئے کوئی صحرا نہیں رہا
دے ان پہ جان، جس کو غرض ہے کہ دل لگے بعد — ان کی نگاہ کا وہ تقاضا نہیں رہا
تم منتظر گھڑی اگر آئے نہ بیمار کے قریب — بیمار دو گھڑی کو بھی اچھا نہیں رہا

فانی بس اب خدا کے لئے ذکر دل نہ چھیڑ
جانے بھی دے بلا سے رہا یا نہیں رہا

ضبط اپنا شعار تھا، نہ رہا — دل پہ کچھ اختیار تھا، نہ رہا
دل مرحوم کو، خدا بخشے — ایک ہی غم گسار تھا، نہ رہا
ہاں کہ وقت سکون مرگ آیا — نالہ، ناخوشگوار تھا، نہ رہا
ان کی بے مہریوں کو کیا معلوم — کوئی امیدوار تھا، نہ رہا
آہ کا اعتبار بھی کب تک — آہ کا اعتبار تھا، نہ رہا
کچھ زمانے کو سازگار سہی — جو ہمیں سازگار تھا نہ رہا
اب گریباں، کہیں سے چاک نہیں — شغل فصل بہار تھا نہ رہا
موت کا انتظار باقی ہے — آپ کا انتظار تھا نہ رہا

مہرباں یہ مزار فانی ہے
آپ کا جاں نثار تھا نہ رہا

○

زباں رخصت طفلی ہے لو شباب آیا
سوا پہر، رخ روشن کا افتاب کا
بہت دنوں یہی کہہ کہہ کے دم دے دلکو

ذرا ٹھہر دل مضطر کہ اب جواب آیا

چڑھا گیا ہیں بلا نوش یاد ساقی ہیں
جو پھر کے زہر سے بھی ساغر شراب آیا

وہ آئے گور غریباں میں جی اٹھے مردے
جلو میں فتنہ محشر بھی ہم رکاب آیا

جگر میں درد نے اٹکا کے چٹکیاں لے لیں
ذرا بھی گر، شب غم میں خیال خواب آیا

کوئی ہو شیخ ہو یا برہمن، ہو شے فانی
ذرا بھی گر، شب غم میں خیال خواب سے آیا

سنگ در دیکھ کے سر یاد آیا — کوئی دیوانہ، مگر یاد آیا
پھر وہ انداز نظر یاد آیا — چاک دل تا بجگر یاد آیا
ذوق ارباب نظر یاد آیا — سجدۂ بے منت سر یاد آیا
ہر تبسم پہ یہ کہتا ہوں فریب — کہا تھیں دیدۂ تر یاد آیا
پھر تو نقش قدم ہے، دربکار — سجدۂ راہ گذر یاد آیا
جمع کرتا ہوں، غبار رہ دوست — سر شوریدہ مگر یاد آیا
ہائے وہ معرکہ، ناوک ناز — دل بچایا تو جگر یاد آیا
آئینہ اب نہیں دیکھا جاتا — میں بعنوان دگر یاد آیا
درد کو پھر سے مرے دل کی تلاش — خانہ برباد کو گھر یاد آیا

اس کو بھولے تو ہوئے ہے فانیؔ
کیا کروں گے اگر وہ یاد آیا

○

دم کیا تن بسمل سے آساں نکل آیا — ارماں بھرے دل کا ارمان نکل آیا
وحشت کی بدولت، ہم جس گھر سے نکل آئے — اس گھر کی تباہی کا سامان نکل آیا
تم شام شب فرقت، بے ساختہ آ نکلے — یا کفر کے پردے سے ایمان نکل آیا
ہم عرصۂ ہستی سے گزرے بھی تو کیا گزرے — اک اور قیامت کا سامان نکل آیا
آنکھوں کی خطا فانیؔ محشر میں عطا ٹھہری — طوفان اٹھایا تھا، احسان نکل آیا

○

جذبِ دل جب بروئے کار آیا — ہر نفس سے پیام یار آیا
موت کا انتظار تھا، آئی — جانیئے اب مجھے قرار آیا
جب کسی نے لیا تمہارا نام — گریۂ بے قصد اختیار آیا
بے قراری میں، اب یہ ہوش نہیں — کس کے در پر تجھے پکار آیا
فرش گل پھر، بچھا رہی ہے نسیم — آیئے موسم بہار آیا
آج ہم پی سکے، نہ وہ آنسو — ان کے آگے جو بار بار آیا
خیر تو ہے کہ آپ کے در سے — آج، فانیؔ امیدوار آیا

○

وعدے کے یہ تیور ہیں کیا کہدوں کہ یقیں آیا
اب ان سے کوئی کیوں کر کہدے کہ نہیں آیا
کافر کی محبت میں، ایمان کے لالے تھے
چھپ چھپ کے، دعاؤں میں وہ دشمن دیں آیا

یہ کوچۂ قاتل ہے، آباد ہی رہتا ہے
اک خاک نشیں اٹھا، اک خاک نشیں آیا
دنیا کے گلے شکوے ہم حشر میں کیا کرتے
کہنا تو بہت چاہا، کچھ یاد نہیں آیا
پھر، گور غریباں کا ہر ذرہ لرز اٹھا
فانی کوئی دل، شاید پھر زیر زمیں آیا

○

ہمیں، کھوئے گئے تجھ میں، نہ جب تیرا پتا پایا
نہ پایا مدعا، ہم نے تو گویا مدعا پایا
ازل میں اہل دل نے باب رحمت سے نہ کیا پایا
دعا پائی، دعا کے واسطے، دست دعا پایا
فریب جلوہ، اور کتنا مکمل، اے معاذاللہ
بڑی مشکل سے، دل کو بزم عالم سے اٹھا پایا
یہ ہے روداد غم اول سے آخر تک کہ ظالم کو
ستم نہ آشنا، دیکھا، کرم نا آشنا پایا
مراد درد سنہاں، رسوائے اقصائے دو عالم ہے
چھپا کر، تو نے جو بخشا وہ میں نے بر ملا پایا
یہ ہے محشر میں دیدار وصل یار کا حاصل
کوئی دیکھا ہوا دیکھا کوئی پایا ہوا پایا

تیرے مظلوم کی فریاد کام آہی گئی آخر
دل مرحوم نے، اک نالۂ آخر رسا پایا

وفا کے نام سے بیزار ہے وہ بیوفا فانیؔ
وفائیں اس نے کیا پنہاں ترک مدعا پایا

○

بہتے بہتے سارے آنسو بہہ گئے
وہ نہ روتے، آنسوؤں کو رو لیا

لو تمہارے سر ہے میری منصفی
دل مرا تم نے لیا، ہو ہو، لیا

داغ دل پہلو سے یوں لگتا نہ تھا
آپ خنجر پہ سے دھبہ دھو لیا

آئے دنیا میں تو ساتھ آئی اجل
ہائے دشمن پیچھے پیچھے ہو لیا

عشق نے سوغات وہ بخشی اسے
جس کو تم کہتے تھے فانی ہو لیا

○

کچھ اس طرح تڑپ کر میں بے قرار رو دیا
دشمن بھی چیخ اٹھا، بے اختیار رو دیا

کیا اس کو بے قراری، یاد آگئی ہماری
دل ہل گئے بجلیوں سے ابر بہار رو دیا

آیا ہے بعد مدت بچھڑے ہوئے ملے ہیں
دل سے لپٹ لپٹ کر غم بار بار رو دیا

نازک ہے آج شاید حالت مریض غم کی
کیا چارہ گر نے سمجھا، کیوں زار زار رو دیا

کچھ بھی ہوں برق و باراں ہم تو یہ جانتے ہیں
اک بے قرار تڑپا، اک دل فگار رو دیا

فانی کو یا جنوں ہے یا آرزو ہے تیری
کل نام لے کے تیرا، دیوانہ وار رو دیا

مجھ کو میرے نصیب نے روز ازل، نہ کیا دیا
دولت دو جہاں نہ دی، اک دل مبتلا دیا

دل ہی نگاہ ناز کا اک ادا شناس تھا
جلوۂ برق طور نے طور کو کیوں جلا دیا

قبر میں جب کسی طرح دل کی تڑپ نہ کم ہوئی
یاد خرام ناز نے حشر کا آسرا دیا

روز جزا گلہ تو کیا شکر ستم ہی بن پڑا
ہائے کہ دل کے درد نے درد کو دل بنا دیا

اب میری لاش پر حضور موت کو کوستے تو ہیں
آپ کو یہ بھی ہوش ہے کس نے کسے مٹا دیا

دل میں سما کے پھر گئی، آس بندھا کے پھر گئی
آج نگاہ دوست نے کعبہ بنا کے ڈھا دیا

اف کہ گناہگار، ہم ہیں تو، مگر خطا معاف
آٹھ پہر کے درد نے، دل ہی تو ہے دکھا دیا

تیرے مظلوم کی فریاد کام آہی گئی آخر
دلِ مرحوم نے، اک نالۂ آخر رسا پایا
وفا کے نام سے بیزار ہے وہ بے وفا فانی
وفائیں اس نے کیا پندارِ ترکِ مدعا پایا

بہتے بہتے سارے آنسو بہہ گئے
روتے روتے آنسوؤں کو رو لیا
لو تمہارے سر ہے میری منصفی
دل ہمارا تم نے لیا، ہو لو، لیا
داغِ دل پہلو سے یوں نمایاں تھا
آپ خنجر پہ سے دھبہ دھو لیا
آئے دنیا میں تو ساتھ آئی اجل
ہائے دشمن پیچھے پیچھے ہو لیا
عشق نے سوغات وہ بخشی اسے
جس کو تم کہتے تھے فانی ہو لیا

کچھ اس طرح تڑپ کر میں نے قرار دیا
دشمن بھی چیخ اٹھا، بے اختیار رو دیا
کیا اس کو بے قراری، یاد آگئی ہماری
دل ہل گئے بجلیوں سے ابر بہار رو دیا
آیا ہے بعد مدت بچھڑے ہوئے ملے ہیں
دل سے لپٹ کر غم بار بار رو دیا
نازک ہے آج شاید حالت مریضِ غم کی
کیا چارہ گر نے سمجھا، کیوں زار زار رو دیا

کچھ بھی ہوں برق و باراں ہم تو یہ جانتے ہیں
اک بے قرار تڑپا، اک دل فگار رو دیا
فانی کو یا جنوں ہے یا آرزو ہے تیری
کل نام لے کے تیرا، دیوانہ وار رو دیا

مجھ کو میرے نصیب نے روز ازل، نہ کیا دیا
دولت دو جہاں نہ دی، اک دل مبتلا دیا
دل ہی نگاہ ناز کا اک ادا شناس تھا
جلوۂ برق طور نے طور کو کیوں جلا دیا
قبر میں جب کسی طرح، دل کی تڑپ نہ کم ہوئی
یاد خرام ناز نے حشر کا آسرا دیا
روز جزا گلہ تو کیا شکر ستم ہی بن پڑا
ہائے کہ دل کے درد نے درد کو دل بنا دیا
اب میری لاش پر حضور موت کو سنتے تو ہیں
آپ کو یہ بھی ہوش ہے کس نے کسے مٹا دیا
دل میں سما کے پھر گئی، آس بندھا کے پھر گئی
آج نگاہ دوست نے کعبہ بنا کے ڈھا دیا
اف کہ گناہگار، ہم ہیں تو، مگر خطا معاف
آٹھ پہر کے درد نے، دل ہی تو ہے دکھا دیا

آپ ہم اپنی آگ میں آئے غم عشق، جل بجھے
آگ لگے اس آگ کو پھونک دیا، جلا دیا

یوں نہ کسی طرح کٹی، جب مری زندگی کی رات
چھیڑ کے داستان غم، دل نے مجھے سلا دیا

گریہ، آتشیں کی داد دے شب غم تو کون دے
خود سر شام، کیا بجھی، شمع نے دل بجھا دیا

یاس نے درد ہی نہیں، حق تو یہ ہے دوا بھی دی
فانیؔ نا امید کو موت کا آسرا دیا

○

اے اجل، اے جان فانیؔ تو نے یہ کیا کر دیا
مار ڈالا، مرنے والے کو کہ اچھا کر دیا

جب ترا ذکر آ گیا، ہم دفعتاً چپ ہو گئے
وہ چھپایا راز دل، ہم نے کہ افشا کر دیا

کس قدر بیزار تھا دل، مجھ سے ضبط شوق پر
جب کہا، دل کا کیا، ظالم نے رسوا کر دیا

یوں چرائیں اس نے آنکھیں سادگی تو دیکھیے
بزم میں، گویا مری جانب، اشارا کر دیا

دردمندان ازل پر، عشق کا احساں نہیں
درد یاں دل سے کیا کب تھا کہ پیدا کر دیا

دل کو پہلو سے نکل جانے کی پھر رٹ لگ گئی
پھر کسی نے آنکھوں آنکھوں میں تقاضا کر دیا
رنج پایا، دل دیا، سچ ہے مگر یہ تو کہو
کیا کسی نے دے کے پایا، کس نے کیا پا کر دیا
بچ رہا تھا ایک آنسو، دارو گیرِ ضبط سے
جوششِ غم نے پھر اس قطرے کو دریا کر دیا
فانیؔ مہجور تھا آج آرزو مند اجل
آپ نے آ کر پشیمانِ تمنا کر دیا

○

ہر دل کو تیرے غم نے، مسلماں بنا دیا
توفیقِ اضطراب کو ایماں بنا دیا
رگ رگ کو دردِ دل نے رگِ جاں بنا دیا
اس کفر با سوا کو بھی ایماں بنا دیا
جب درد کو امانتِ درماں ہوئی سپرد
درماں عشق کو، غمِ درماں بنا دیا
میری نگاہ، معترفِ عجزِ خاک تھی!
تیری نظر نے خاک کو انساں بنا دیا
جب اس نے غم سے پردہ اٹھایا تو عشق تھا
جب دل کو بے نقاب کیا جاں بنا دیا

کیفیت نگاہ سرور آفریں نہ پوچھ
شبنم کو جس نے بادۂ عرفاں بنا دیا

ہر روئے گل کو جلوہ گہ کیف صد بہار
ہر بوئے گل کو، میکدۂ جاں بنا دیا

غم کو بنا کے محرم اسرار کائنات
ہر نقش غم کو پیکر انساں بنا دیا

دے کر دل فسردہ فانیؔ کو سوز عشق
ہر آرزو کو شعلہ بداماں بنا دیا

وہ پوچھتے ہیں ہجر میں ہے اضطراب کیا
حیراں ہوں کہ دوں انھیں اس کا جواب کیا

دل، اور وہ بھی مہر، اور دشمنِ دل
تیری نگاہ نے کیا، یہ انتخاب کیا

جاتی نہیں خلش، الم روزگار کی
اے آسماں ہوا، وہ تیرا انقلاب کیا

نظارۂ جمال کی، یاں تاب ہی نہیں
اے برق حسن چاہیئے، تجھ کو نقاب کیا

وعدہ بھی کر لو، وعدے پہ یاں آ بھی جاؤ تم
یہ سب سہی "تمہاری "نہیں" کا جواب کیا

بیش از گمانِ خواب نہیں فرصتِ حیات
فانیؔ تم اس خیال کو سمجھے ہو خواب کیا

بوئے خزاں سے مست ہیں، یاد ہمیں بہار کیا
ہم تو چمن پرست ہیں، پھول کہاں کے خار کیا

دل ہے تری نگاہ تک جان ہے اک آہ تک
حوصلہ امید کیا، ظرف امیدوار کیا

محو فروغ ذات ہوں، بے خبر صفات ہوں
کوئی ہو شمع بزم کیا شمع سر مزار کیا

ہوش سے احتراز کر، فاش نہ غم کا راز کر
دغدغۂ حساب کیوں، شکوۂ روزگار کیا

حد سے سوا، جفا سہی، مجھ پہ ہے کچھ نہیں
جوشش میل گریہ کون، ضبط کو ناگوار کیا

جو غم بے اثر نہ ہو، جو شب بے سحر نہ ہو
وہ غم انتظار کب، وہ شب انتظار کیا

اپنے کمال شوق پر، حشر کا دن ہے منحصر
وعدۂ دید چاہیئے زحمت انتظار کیا

کھیل تھا شب امید کا یہ نہ رہی تو کچھ نہ تھا
آرزوؤں کی، کیا بساط، شوق کا رو بار کیا

فانیؔ اب اپنی زندگی، حسنِ عتابِ یار ہے
دیکھیے، مرگِ ناگہاں لائے پیامِ یار کیا

○

واہمے کی یہ مشقِ پیہم کیا
یاس و امید، شادی و غم کیا

تم کو اس رازِ ماسوا کی قسم
تم پہ چھایا ہوا ہے عالم کیا

ان کے آگے غم اک فسانہ ہے
ان سے کہیے فسانۂ غم کیا

عیشِ رفتہ کی یاد سے حاصل
قصۂ خلد و ذکرِ آدم کیا

تاکجا، آہ زیرِ لب، آخر
انتہائے سکوتِ پیہم کیا

غمِ دنیا، بہ قدرِ ظرف نہیں
حسرتِ بیش و شکوۂ کم کیا

سوزِ غم کی حدیں نہیں ملتیں
بجھ گئی آتشِ جہنم کیا

گرم و سردِ زمانہ، جو کچھ ہو
ورنہ، فردوس کیا جہنم کیا

موت جس کی حیات ہو فانیؔ
اس شہیدِ ستم کا ماتم کیا

○

جستجوئے نشاطِ مبہم کیا
دل بیستر ہے لذّتِ غم کیا

مستیٔ ہوش کے فسانے ہیں
جشنِ پرویز و عشرتِ جم کیا

ایک عالم کو دیکھتا ہوں میں
یہ ترا دھیان ہے مجسم کیا

اذنِ ہنگامۂ نگاہ، نہ دے
کیا ہماری بساط اور ہم کیا

تنگ، رحمت ہے احتیاجِ دعا
انتظارِ قضائے مبرم کیا

میری فطرت ہے، گوش بر آواز
سن رہا ہوں، بولے محرم کیا

مٹ گیا نام عاشقی اے دور — چاہتا ہے وہ جستجو پیہم کیا
کاش پوچھو تو کچھ بتائیں ہم — حاصل شکوہ ہائے باہم کیا
دل بکمال حیات ہی فانی — دل کے مارے ہوؤں کا ماتم کیا

○

غم فانی و عیش برہم کیا — جاوداں ہوں تو عیش پیہم کیا
ہر تجلی ہے اک نظام جمال — لاکھ عالم ہیں، ایک عالم کیا
تم سے نسبت ہے، اعتبار اپنا — ہم تمہارے ہیں ورنہ پھر ہم کیا
غم تو واعظ غم بہشت لگا ہے — اعتبار غم جہنم کیا
لاگ ہے اپنی زندگی سے مجھے — اور تماشائے زندگی کم کیا
یہ بھی اک التفات ہے ورنہ — ندرت نالہ ہائے پیہم کیا
یہ حجابات بھی اٹھے آخر — دل پہ درد و چشم پر نم کیا
پھر ملی غیب سے نوید نشاط — غم کے ساماں ہوئے فراہم کیا

یاد فانی بخیر کیوں، اے موت
اٹھ رہا ہے، یہ شور ماتم کیا

○

ندر درد دل، غم دنیا کیا — اک مٹایا داغ، اک پیدا کیا
رونمائے جوش حیرت تھی نگاہ — آئینہ منہ آپ کا دیکھا کیا
بجلیاں بھر دیں، نگاہ یار میں — تو نے آہ آتشیں، یہ کیا کیا
وسعت دل کی بقدر داد عشق — قطرہ دریا تھا جسے دریا کیا

نالہ کیا؟ ہاں اک دھواں سا شام ہجر — بستر بیمار سے اٹھا کیا
سخت نازک تھا مزاج درد عشق — دل، فدائے بے حسن پروا کیا
زیست تھی بیکار فانی دل کے بعد — جان بھی قربان کی اچھا کیا

دیکھنا، پھر حشر میں کیا حشر برپا ہو گیا
وہ سراپا حشر، جب ہنگامہ آرا ہو گیا
زندۂ جاوید، فانی نام اپنا ہو گیا
سحر الفت، رشک اعجاز مسیحا ہو گیا
نذر دینے لائے تھے ہم جلوۂ جاناں کو دل
وہ بھی، صرف کشمکش ہائے تماشا ہو گیا
اپنی مشت خاک بھی پہونچی نہ کوئے یار تک
ہائے بخت نارسا، تیرا ہی چاہا ہو گیا
شکوۂ طاقت ربا، بہلائے غم، کیا سمجھیے
حال دل کیا کہیے، کیوں کر آشکارا ہو گیا
روئیں کیا، روداد عبرت خیز عشق قیس پر
وائے ناکامی، وہ اپنا ہی فسانہ ہو گیا
زندگی، اتنی ہی تھی، جتنی مقدر کی نہ تھی
راز عشق یار فانی مفت رسوا ہو گیا

جلوہ گاہِ نازِ جاناں، جب مرا دل ہو گیا
سامنا فانی مجھے دل کا بھی مشکل ہو گیا

مژدہ تسکین سے بے تابی کے قابل ہو گیا
دل پہ تیری جب نگاہیں جم گئیں دل ہو گیا

کر کے دل کا خون کیا بے تابیاں کم ہو گئیں
جو لہو آنکھوں سے دامن پر گرا دل ہو گیا

سن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی
آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا

طور نے جل کر ہزاروں طور پیدا کر دیئے
ذرہ ذرہ میرے دل کی خاک کا دل ہو گیا

موت آنے تک نہ آئے، اب جو آئے ہو تو ہائے
زندگی مشکل ہی تھی، مرنا بھی مشکل ہو گیا

دردِ فرقت کی خلش، وابستہ انفاس تھی
مدعائے زندگانی مر کے حاصل ہو گیا

دل، سراپا درد تھا، وہ ابتدائے عشق تھی
انتہا یہ ہے کہ فانی درد اب دل ہو گیا

جیب و داماں کی حقیقت کا جو عرفاں ہو گیا
جادہ بر ہیں جس تار پر نظریں، رگِ جاں ہو گیا

ماسوا کی راہ سے، جانا پڑا ہے سوئے دوست
کفر بھی، دل کی بدولت، جزو ایماں ہو گیا

تشنۂ غم کو مبارک، نذر خون آرزو
زیست کو مژدہ کہ مر جانے کا ساماں ہو گیا

ان کے دیکھے تک ہے دل کے آئینے کی بھی نمود
دیکھ لینا پھر کہ دل تصویر جاناں ہو گیا

اس دل مایوس کی ویرانہ سازی کچھ نہ پوچھ
اس نے جب اور جو چمن تاکا، بیاباں ہو گیا

اس کے دامن سے الجھتا ہے ادب اے دست شوق
یہ بھی دیوانے کوئی میرا گریباں ہو گیا

جو بہ فتوائے خرد، مجنوں نہ ہو قائل نہیں
حیف وہ آزاد جو، محروم زنداں ہو گیا

ادعائے ضبط غم، بالکل بجا یکسر درست
اور جو دل کا حال، چہرہ سے نمایاں ہو گیا

یاد ہے فانی تجھے، کوئی کہانی اور بھی
ختم کر افسانۂ غم دل پریشاں ہو گیا

○

اور تسلی سے سوا ہو گیا — درد جگر یہ مجھے کیا ہو گیا!
موت کی نیند آگئی بیمار کو! — غیب سے ساماں شفا ہو گیا

اور ہی بل ہے تری زلفوں میں کج — کون گرفتار بلا ہو گیا
چارہ تپ ہجر کا اب کیا کروں — زہر بھی کم بخت دوا ہو گیا
اب بھی ترا وعدہ وفا ہو نہ ہوا — موت کا وعدہ تو وفا ہو گیا
مفت دو عالم ہے وہ تیر نگاہ — جو مری شامت سے خطا ہو گیا
ہوش ہی تھا ہجر کہ میں آپ سے — آپ سے آتے ہی خدا ہو گیا

شوق سے ناکامی کی بدولت کوچۂ دل ہی چھوٹ گیا
ساری امیدیں ٹوٹ گئیں، دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا

فصل گل آئی، یا اجل آئی کیوں در زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آ پہنچا، یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

لیجیے کیا دامن کی خبر، اور دست جنوں کو کیا کہیے
اپنے ہی ہاتھ سے دل کا دامن مدت گزری چھوٹ گیا

منزل عشق پہ تنہا پہنچے، کوئی تمنا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا

اس نے عدو کا سوگ کیا، یاں اس سے وفا کی آس بندھی
داغ تمنا، رنگ حنا کی دیکھا دیکھی چھوٹ گیا

فانی ہم تو جیتے جی، وہ میت ہیں بے گور و کفن!
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

وہ جی گیا جو عشق میں جی سے گزر گیا / عیسیٰ کا ہو نوید کہ بیمار مر گیا

آزاد کچھ ہوئے ہیں اسیرانِ زندگی / یعنی جمالِ یار کا صدقہ اتر گیا

دنیا میں حال آمد و رفتِ بشر نہ پوچھ / بے اختیار آ کے رہا بے خبر گیا

شاید کہ شامِ ہجر کے مارے بھی جی اٹھے / صبحِ بہارِ حشر کا چہرہ اتر گیا

آیا کہ دل گیا کوئی پوچھے تو کیا کہوں / یہ جانتا ہوں، دل اِدھر آیا اُدھر گیا

میں نے دیا کہ تم نے لیا دل، تمہیں کہو / تم دل میں پہلے آئے کہ دل پیشتر گیا

ہاں سچ تو ہے شکایتِ زخمِ جگر غلط / دل سے گزر کے تیر تمہارا کدھر گیا

دل کا علاج کیجیے، اب یا نہ کیجیے / اپنا جو کام تھا، وہ غمِ یار کر گیا

کیا کہیے، اپنی گرم روی ہائے شوق کو / کچھ دور میرے ساتھ، مرا راہبر گیا

فانی کی ذات سے غمِ ہستی کی تھی نمود / شیرازہ آج دفترِ غم کا بکھر گیا

سایہ بھی جس پہ میرے نشیمن کا پڑ گیا / کیوں آسماں، وہ باغ ہی سارا اُجڑ گیا

تو نے سب اپنے کام بگڑ کر بنا لیے / میری وفا، وہ کام جو بن کر بگڑ گیا

دل کی مفارقت کو کہاں تک نہ روئیے / اللہ، ایک عمر کا ساتھی بچھڑ گیا

صیاد یوں پروں میں گرہ باندھتے ہیں کیا / بے درد، بند بند کسی کا جکڑ گیا

ہوتا ہے آج فیصلہ، امید و یاس کا / ٹلتا ہے اب، وہ دل جو بسا اور اجڑ گیا

بنتی نہیں ہے، صبر کو رخصت کیے بغیر / کام ان کی بے قرار نگاہوں سے پڑ گیا

بدلا ہوا ہے آج مرے آنسوؤں کا رنگ / کیا دل کے زخم کا کوئی ٹانکا، ادھڑ گیا

اللہ رے جوشِ بادِ بہاری ترا اثر / پیمانہ لڑکھڑا کے، صراحی سے لڑ گیا

وعدے کی رات گردشِ افلاک رک گئی
جب تم سے بن گئی تو زمانہ بگڑ گیا
اک حشر اور چاہیئے اس روسیاہ کو
فانیؔ زمینِ حشر میں غیرت سے گڑ گیا

دل کی کایا غم نے وہ پلٹی کہ تجھ سا بن گیا
درد میں دل ڈوب کر قطرے سے دریا بن گیا
ان کے آغوشِ مشیت میں ہے ناکامی مری!
کام کچھ اس طرح بگڑا ہے کہ گویا بن گیا
دل کی رت، ایسی تو یادِ یار نے بدلی نہ تھی
یہ چمن اجڑا ہی اس ڈھب سے کہ صحرا بن گیا
نقشِ موہوم حیات افسانہ در افسانہ تھا
جب یہ نقش ابھرا تو اک حرفِ تمنا بن گیا
لو مبارک لذتِ غم بھی ہے اب تو ناگوار
دل محبت میں جو بننا چاہیئے تھا بن گیا
جلوۂ کثرت، خود اپنا شوق بے اندازہ تھا
محملِ لیلیٰ، مری نظروں میں لیلیٰ بن گیا
میری محرومی بھی رسوا ہے کہ فانیؔ حالِ دل!
ان کے کانوں تک پہونچا اور فسانہ بن گیا

ب

پھر دلِ بے تاب ہے آرامِ جانِ اضطراب
پھر تمنا ہے کسی کی میہمانِ اضطراب

ہم ہوئے جاتے ہیں قائل آہ کی تاثیر کے
اس نے کیا کہہ کر بڑھا دی آج شانِ اضطراب

کب سے آغوشِ لحد میں ہم ہیں سر تا پا قرار
وہ ستم پرور ہے اب تک بدگمانِ اضطراب

مجھ کو مضطر دیکھ کر ان کو حجاب آنے لگا
ہو چلی ہیں وہ نگاہیں رازدانِ اضطراب

اشک ہائے گرم کے سب آوارۂ دامن ہوئے
رفتہ رفتہ مٹ گیا نام و نشانِ اضطراب

وقتِ عرضِ حال، اس فکر نے مارا مجھے
کیجیے آغاز کیوں کر داستانِ اضطراب

اضطراب دل کے شکووں نے کیا الٹا اثر
بے نیازِ نطق ہے، گویا زبانِ اضطراب

راز ضبط الٰہی کس نے افشا کر دیا
ہے انھیں میری خموشی پر گمان اضطراب

سینۂ فانی ہے یا جولاں کہ برق فنا
دل ہے یارب یا بلائے آسمان اضطراب

عشق ہے پرتو حسن محبوب
آپ اپنی تمنا کیا خوب

طلب محض ہے سارا عالم
کوئی طالب ہے نہ کوئی مطلوب

قلب و ادراک و دماغ اور حواس
مجھ سے منسوب ہیں تجھ سے مغلوب

پ

یہ عکس زلف سے ساغر شراب میں سانپ
کہ آفتاب قمر میں ہے آفتاب میں سانپ

دکھا کے زلف سیہ فام آئینے میں آنکھیں
یہ کہہ کے ہم نے اتارا کہ ہے نقاب میں سانپ

نہ کیوں تصور گیسوئے یار ہو دل میں
بنا ہی لیتے ہیں گھر اک خراب میں سانپ

ت

○

جنس دل ہو مشتریٔ دل بہت
سر سلامت چاہیے قاتل بہت

منحصر ہے آپ کی "ہاں" پر وصال
آپ کو آساں مجھے مشکل بہت

فانیٔ جاں باز سا کوئی نہیں
گرچہ قاتل ہیں ترے بسمل بہت

○

پھر فریب سادگی ہے رہنمائے کوئے دوست
مٹنے والی آرزوئیں لے چلیں پھر سوئے دوست

مانگتا ہوں آپ خنجر سے سوا خنجر کی خیر
کچھ گراں جانی مری کچھ قوت بازوئے دوست

اب مجھی کو طول شام ہجر کا شکوہ کبھی ہے
خود ہی چھیڑی تھی حدیث طرۂ گیسوئے دوست

آسمان کا شکوہ کیا جب ہے گلہ جائز نہیں
آسمان سے ملتی جلتی ہے جہاں تک خوئے دوست

رنگ وحدت دہر کا مفہوم یوں کچھ ہی سہی
میرے مسلک میں ہے فانی رنگ دل یا بوئے دوست

ہو کاش وفا وعدۂ فردائے قیامت

آئے گی، مگر دیکھئے کب آئے قیامت
اللہ بچائے غم فرقت وہ بلا ہے
منکر کی نگاہوں پہ کبھی چھائے جا قیامت
سنتا ہوں کہ ہنگامۂ دیدار بھی ہو گا
اک ماورِ قیامت ہے یہ بالائے قیامت
ہم دل کو ان الفاظ سے کرتے ہیں مخاطب
اے جلوہ کہ انجمن آرائے قیامت
فانی یہ مگر راہ محبت کی زمیں ہے
ہر ذرہ میں ہے وسعت صحرائے قیامت

ٹ

آنکھ اٹھائی ہی تھی کہ کھائی چوٹ
بچ گئی آنکھ دل پہ آئی چوٹ
درد دل کی انھیں خبر کیا ہو
جانتا کون ہے پرائی چوٹ
آئی تنہا نہ خانۂ دل میں!
درد کو اپنے ساتھ لائی چوٹ
تیغ تھی ہاتھ میں نہ خنجر تھا

اس نے کیا جانیں کیا دکھائی چوٹ
یوں نہ قاتل کو جب یقین آیا
ہم نے دل کھول کر دکھائی چوٹ
کہیں چھپتی بھی ہے لگی دل کی
لاکھ فانی نے گو چھپائی چوٹ

د

فغاں کے پردے ہیں سن میری داستاں صیاد
کہ پھر رہے نہ رہے طاقت بیاں صیاد
ترا اشارہ ترا ساز برق سے نہ سہی
تجھے خبر ہے کہ جلتا ہے آشیاں صیاد
نہ آ قریب کہ پروردہ فنا ہوں میں
بنا ہے برق کے تنکوں سے آشیاں صیاد
بس ایک آہ جہاں سوز کے اثر تک ہیں
یہ خار، برق، قفس، دام آسماں صیاد
نکل ہی جائیں گے نالے وہن سے خوں ہو کر
زباں نہیں تو کھلے گی رگ زباں صیاد
ستم رسیدۂ آوازہ بیاں ہوں میں

قفس میں کھینچ کے لائی مری زباں صیاد
چمن میں دل ہے تو میری نگاہ میں ہے چمن
چمن سے تو مجھے لے جائیں گا کہاں صیاد
یہ جذب ذوق اسیری ہے ورنہ اے فانیؔ
کہاں ہیں سوختہ دل عشق پر کہاں صیاد

○

کیا کہیے کہ بیداد ہے تیری بیداد
طوفان محبت کی زد میں ہے فریاد

دل محشر بیخودی ہے اللہ اللہ
یا اور کسی بھول جانے والے کی یاد
پابندی رسم ہر طرف کیوں اے موت
ان کے بھی کیے ہیں تو نے قیدی آزاد
اللہ یہ بجلیاں نہ کام آئیں گی
آندھی ہی سے کیوں ہو آشیانہ برباد
دنیا جسے کہتا ہے زمانہ فانیؔ
ہے ایک طلسم اجتماع اضداد

○

آخر کوئی امید اثر بھی دعا کے بعد
کچھ آپ بھی کہیں گے مری التجا کے بعد
کیا جانے کیا بلا ہے وہ انداز التفات
دنیا بدل گئی ہے نگہ آشنا کے بعد
فکر وفائے عہد تمہاری بلا کرے
جیتا ہے کون وعدہ صبر آزما کے بعد
کسی کا آسرا ہے نہ تائید ناخدا
میرے سپرد ہے مری کشتی خدا کے بعد
اللہ رے اعتماد نوازش کہ ہے مجھے
امید لطف ہر ستم ناروا کے بعد
شکوہ ہے اپنے کشتۂ بیداد سے انہیں
دیکھا نہ انتظار تلافی جفا کے بعد

فانیؔ اسی خلش ہے غبار رہ یاد دوست
جو انتہا کی زد میں نہ ہوا ابتدا کے بعد

رلایا عمر بھر خون جگر اک اک مصیبت پر
مٹا کر دم لیا پتھر پڑیں درد محبت پر

کہیں عبرت پرستی ہے کہیں حسرت برستی ہے
خدا کی رحمتیں نازل ہیں کیا دشت وحشت پر

حقیقت اور فتنوں کی ہے کیا تیرے مقابل ہیں
قیامت کو ہوا اپنا سا دھوکا تیرے قامت پر

مرے بے چین دل کو صبر آ جائے تو میں جانوں
کہ اے ناصح نہیں رہتا زمانہ ایک حالت پر

جنازے پر ترے کشتے کے ظالم کتنا مجمع تھا
کہ شوقِ دید میں حسرت گری پڑتی تھی حسرت پر

خدا کی رحمتیں نازل ہوں عشق فتنہ ساماں پر
یہ درد دلے دوا احسان ہے تقدیر درماں پر

ستم ہائے نمایاں سے نوازش ہائے پنہاں تک
شباب آتے ہی آفت گزر جاتی ہے انساں پر

غمِ امید کے صدقے وہ اضمحلال رنگیں ہو
بہانہ آنے سے کچھ پہلے جو چھا جائے گلستاں پر
ٹھہر اے نشترِ حرماں ٹھہر یہ ماجرا کیا ہے
مجھے کچھ جان کا دھوکا سا ہوتا ہے رگِ جاں پر
یہ محشر ہے یہاں جو چاک ہے رحمت بداماں ہے
وہ دنیا تھی جو ہنستی ہی رہی ہر چاک سداماں پر
متاعِ یک جہانِ آرزو جو چند گھڑیاں تھیں!
سو وہ ایک اک گھڑی بھاری ہے اب بیمارِ ہجراں پر
مری دیوانگی کی شرح میرا ہوش ہے فانیؔ
گریباں ہے مگر وحشت پرستی ہے بیاباں پر

○

نہ چاہا حسن کی فطرت نے کوئی داغ دامن پر
رہا محشر میں اپنا خونِ ناحق اپنی گردن پر
قیامت کی کشش رکھتے ہیں دانے میرے خرمن پر
کہیں کی بجلیاں ہوں آکے چھا جاتی ہیں خرمن پر
محبت میں ہمیں جی کھول کر رونا نہیں آتا
جو چار آنسو ہیں آنکھوں میں تو دو آنسو ہیں دامن پر
بنایا تھا نشیمن شاخِ گل پر کس گھڑی یارب
کبھی جاتی ہے ہر فرق بلا شاخِ نشیمن پر

مجھے کھینچے ہے جاتا ہے کیا جانے کہاں کوئی
نہ کچھ احسان رہبر ہے نہ کچھ الزام رہزن پر
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں دوستوں کو اور نہیں پاتیں
نظر اٹھتی ہے اب جس دوست پر پڑتی ہے دشمن پر
ہنسی آتی ہے تیری سادگی شوق پر فانیؔ
وہ میت ہی پہ کب آئے جو اب آئیں گے مدفن پر

وہ خود اب فریب جمال ہے جو نظر کبھی جلوہ یار پر
مجھے اب بہار سے کیا غرض کہ مری خزاں ہے بہار پر
مرے ذوق دید کو بجلیاں ہی نصیب ہیں تو یہیں سہی
یہ گناہ تو اٹھا نہ رکھ یہ گناہ روز شمار پر
یہ نوید گردش جام کیا یہ صلائے عیش مدام کیا
کہ ہزار لطف کی صحبتیں ہیں نثار اک غم یار پر
مرے آشیاں پہ عجب نہیں کبھی برق قصد کرم کرے
مگر آہ وہ خو پیش کشی نہ وہ ہمت خس نہ یہ چار پر
وہ مزار فانیؔ مبتلا کا نشان مٹانے کو آئیں گے
یہ وعید وعدے سے کم نہیں کہ وہ آئیں گے تو مزار پر

مورد کفر بنا مظہر ایماں ہو کر   دل مرا لوٹ ہے کافر پہ مسلماں ہو کر

صبر و ہوش و خرد و تاب پئے شکوہ گئے ۔۔۔ تم ہی جب چھوٹ گئے ہم سے تو تنہا ہو کر

کچھ بھی تاثیر ہے الفت میں تو انشاء اللہ ۔۔۔ منہ سے ظالم ترے نکلے گی "نہیں" ہاں ہو کر

○

عشق عشق ہو شاید حسن میں فنا ہو کر ۔۔۔ انتہا ہوئی غم کی دل کی ابتدا ہو کر

دل ہمیں ہوا حاصل درد میں فنا ہو کر ۔۔۔ عشق کا ہوا آغاز غم کی انتہا ہو کر

نامراد رہنے تک نامراد جیتے ہیں ۔۔۔ سانس بن گیا الفت کی نالۂ رسا ہو کر

اب ہوئی زمانے میں شیوۂ وفا کی قدر ۔۔۔ عالم آشنا ہے وہ دشمن آشنا ہو کر

اور بندے ہیں جن کو دعویٰ خدائی ہے ۔۔۔ تھی ہماری قسمت میں بندگی خدا ہو کر

بندۂ خدائی ہے مدعی خدائی کا ۔۔۔ بندگی نے خدائی کی بندۂ خدا ہو کر

عمر خضر کے اندر ہر نفس میں پایا ہو ۔۔۔ زندگی نئی پائی آپ سے جدا ہو کر

بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے مرض ترے بیمار کا ۔۔۔ درد دید خدا کی یاد دل میں رہ گیا ہو کر

کارگاہ حسرت کا حشر کیا ہوا یارب ۔۔۔ داغ دل پہ کیا گزری نقش مدعا ہو کر

عشق سے ہوئے آگاہ صبر کی کمی حد تھی ۔۔۔ خاک میں ملا دو گے دیر آشنا ہو کر

کی قضائے مبرم نے زندگی کی غمخواری ۔۔۔ درد کی دوا پہنچی درد بے دوا ہو کر

زندگی سے ہو بیزار فانی اس سے کیا حاصل

موت کو منا لو گے جان سے خفا ہو کر

○

کر نہ فریاد خموشی میں اثر پیدا کر ۔۔۔ درد بن کر دل بے درد میں گھر پیدا کر

میں دعا موت کی مانگوں تو اثر پیدا کر ۔۔۔ ورنہ یارب شب فرقت کی سحر پیدا کر

تہ میں جا سطح سے تو قطع نظر کر کے دیکھ
قطرے قطرے میں سمندر ہے نظر پیدا کر

جتنے غم چاہیے دیئے جا مجھے یارب لیکن
ہر نئے غم کیلئے تازہ جگر پیدا کر

یا اسے کر کسی بجلی کے حوالے یارب
یا مرے نخل تمنا میں ثمر پیدا کر

حیران ہوں رنگ عالم تصویر دیکھ کر
کیا یاد آگیا مجھے زنجیر دیکھ کر

قسمت کے حرف سجدۂ در سے تو مٹ گئے
دل کانپتا ہے شوخی تدبیر دیکھ کر

ہے ہے وہ اہل ذوق کی زندہ نوازیاں
سر پیٹتا ہوں خانۂ زنجیر دیکھ کر

وہ بے وفا جفا سے کبھی اب آشنا نہیں
کیا منفعل ہوں آہ کی تاثیر دیکھ کر

فانی وداع ہوش ہی کرنا پڑا مجھے
تن سے وداع روح میں تاخیر دیکھ کر

ہر تبسم کو چمن میں گریہ ساماں دیکھ کر
جی لرز جاتا ہے ان غنچوں کو خنداں دیکھ کر

آخر آخر ہوش ہی وحشت بھی تھی حیرت بھی تھا
دل کو عالم آفریں صحرا بداماں دیکھ کر

شیوہ اپنا غم پرستی قبلہ اپنا خاک دل
روح غم کو پیکر خاکی میں انساں دیکھ کر

ہر تسلی سے سوا ہوتی گئی دل کی تڑپ
درد کچھ سے کچھ ہوا ساماں درماں دیکھ کر

اس کو انجام خودی اور اس پہ لطف بیخودی
وہ کرم کرتے ہیں ظرف اہل عرفاں دیکھ کر

معنیٔ صورت میں ہم نے تیری صورت دیکھ لی!
تیری قدرت دیکھ لی انساں کو انساں دیکھ کر

قبر فانی پہ ہیں وہ برچیدہ دامن اے نسیم
منتشر کر خاک لیکن ان کو داماں دیکھ کر

دل مایوس کو اے عہد کرم شاد نہ کر
نازپروردۂ غم ہے اسے برباد نہ کر

اے تقاضائے خرد مجھ پہ یہ بیداد نہ کر
میں ہوں دنیائے محبت مجھے برباد نہ کر

روح ارباب محبت کی لرز جاتی ہے
تو پشیماں نہ ہو اپنی جفا یاد نہ کر

غم ہستی ہی سہی تیرے سوا کوئی ہو
دل کہ بستی ہے تری غیر سے آباد نہ کر

خامشی عین فغاں ہونے نہ پائے اے دل
اور جو فریاد ہی کرنا ہے تو فریاد نہ کر

صبر شایان محبت تو نہیں ہے لیکن
شکر اگر بن نہ پڑے شکوہ بیداد نہ کر

دل کی حد سے اثر زیست نہ گزرے فانی
ہوش لازم ہے مگر ہوش کو آزاد نہ کر

ہجر میں مسکرائے جا دل میں اسے تلاش کر
ناز ستم اٹھائے جا راز ستم نہ فاش کر

شیوۂ عاشقی ہے یہ حاصل زندگی ہے یہ
آہ جگر گداز کھینچ نالۂ دل خراش کر

درد دیا کرم کیا اب اسے لا دوا بتا

شیشۂ دل عطا کیا اب اسے پاش پاش کر

سہل نہیں ہے مسئلہ قرب حریم ناز کا

دل کو غم آشنا بنا خوگر دور باش کر

فانی اب انتہا ہوئی نزع میں ضبط عشق کیا

اب تو کسی کا نام لے اب تو یہ راز فاش کر

○

گزرے گی اب نہ غم کا مداوا کیے بغیر
بنتی نہیں اجل سے تقاضا کیے بغیر

دل کامیاب شوق ہے بے منت نگاہ
جلوے ہیں دلفریب تماشا کیے بغیر

اللہ رے اعتماد محبت کہ آج تک
ہر درد کی دوا ہیں وہ اچھا کیے بغیر

وہ جان ہی نہیں جو نہ ہو جان نذر دوست
دل ہی نہیں ہے اس کی تمنا کیے بغیر

ممکن نہیں ہے راحت دنیا کی آرزو
غم پر گمان راحت دنیا کیے بغیر

اس ضبط و احتیاط پہ رسوا ہے راز عشق
پردے ہیں حسن دوست نے پیدا کیے بغیر

لازم سہی ہے حیات کہ فانی مفر نہیں
جینے کی تہمتوں کو گوارا کیے بغیر

○

جی ڈھونڈتا ہے گھر کوئی دونوں جہاں سے دور

اس آپ کی زمیں سے الگ آسماں سے دور

شاید میں درخور نگہ گرم بھی نہیں!

بجلی تڑپ رہی مرے آشیاں سے دور

وہ پوچھتے ہیں اور کوئی دیتا نہیں جواب
کس کی وفا ہے دسترس امتحان سے دور

آنکھیں چرا کے آپ نے افسانہ کر دیا!
جو حال تھا زباں سے قریب آسماں سے دور

ہے منع راہ عشق میں دیر و حرم کا ہوش
یعنی کہاں سے پاس ہے منزل کہاں سے دور

تا عرض شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ
اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

فانیؔ دکن[۱] میں آ کے یہ عقدہ کھلا کہ ہم
ہندوستان میں رہتے ہیں ہندوستان سے دور

ز

کون اٹھائے مری وفا کے ناز — دل ستم دوست وہ رقیب نواز
اب نئے سر سے چھیڑ پردہ ناز — میں ہی تھا اک دکھ بھری آواز
کھل گیا میری زندگی کا راز! — اے شب ہجر تیری عمر دراز
صور و منصور و طور ارے توبہ — ایک ہے تیری بات کا انداز

---

۱ دکن کے عوام الناس شمالی ہند کے علاقہ کو ہندوستان کہتے ہیں اسی طرف اشارہ ہے۔

دیکھئے کیا ہو عشق کا انجام
دل کی ہستی ہے موت کا آغاز

رہ گئی تھی جو بازوؤں میں سکت
ہو گئی صرف ہمّت پرواز

آج روز وصال فانی ہے
موت سے ہو رہے ہیں راز و نیاز

دور لے جا اٹھا کے سر حد ناز
دل ہے آوارۂ حدود نیاز

ہوں نگر کیا - یہ کچھ نہیں معلوم
میری ہستی ہے غیب کی آواز

ہوں اسیر فریب آزادی
پر ہیں اور مشق حیلۂ پرواز

آج اچھے نہیں الٰہی خیر
درد کے تیور آہ کے انداز

کیوں فلک انتہا ہوئی کہ نہیں
ایک دم رہ گیا ہے اب دمساز

ہے کوئی شے تو یار و جلوۂ یار
یہ حقیقت ہے اور یہ اصل مجاز

ہاں یہاں کوئی شے نہیں باطل
عشق ہے راز عقل پردۂ راز

اپنی صبر آزما نظر کو سنبھال
ہم ہیں مجبور آہ صبر گداز

جان فانی ترے کرم پہ نثار
تو نے بخشی حیات مرگ نواز

اللہ اللہ یہ شان کشتۂ ناز
ہے مری خاک سجدہ گاہ نماز

ہاں شب ہجر آج صبح نہ ہو
ہاں چلی جائے یاد زلف دراز

دھیان تیرا بہت شوق سہی
دل عاشق ہے ایک دوزخ راز

چشم حاسد مجھے نہ دیکھ سکی
ہوں دلیل بلندی پرواز

آج پہلو میں کیوں ہے سناٹا
کیا ہوئی آہ آہ کی آواز

راس آئے ہیں اشک و آہ کسے
کر نہ آب و ہوائے غم سے ساز

آپ ہی اپنی آڑ ہیں تو ہے
تو حقیقت ہے اور تو ہی مجاز

ہم ہیں اور عزمِ آشیاں یعنی
رہ گئی دور طاقتِ پرواز

ہے کہ فانی نہیں ہے کہ کہئے
راز ہے بے نیازِ محرمِ راز

ش

برہم ہے میری ذات سے سارا نظامِ عیش
لوٹا ہے میرے عہد میں نیرنگ نامِ عیش

اب احتیاجِ شکوۂ اختر نہیں مجھے
ضیائے خونِ عیش سے بھرتا ہوں جامِ عیش

گلشن صلائے عام اسیری ہے سر بسر
پھیلا دیا بہار نے پھولوں پہ دامِ عیش!

دل چرا کر نگاہ ہے خاموش
ہوش اور مست ہو کے اتنا ہوش

مست کو چاہیئے بلا کا ہوش
خم دے اور دیا نہ اذن ہوش

ہوس جلوہ اور نظر غافل
کہ نظر ہے صلائے جلوہ فروش

شاید اب منزلِ عدم ہے قریب — یادِ خاکِ وطن ہے طوفان جوش
فضل تیرا شفیعِ طاعت و زہد — عدل حامی نواز و عصیاں پوش
ہجر سے کی مفارقت فانیؔ — ہے مبارک کہ ہو موت کا آغوش

میں ہوں اک مرکزِ ہنگامۂ ہوش درہمِ ہوش
دل اگر عالمِ مستی ہے تو سر عالمِ ہوش

عالمِ ہوش پہ ہے فطرتِ ہستی مائل!
کس توقع پہ اٹھائے کوئی نازِ غمِ ہوش

ہے خودی مایۂ عرفان خودی ہے یعنی
محرمِ جلوۂ اسرار ہے نا محرمِ ہوش

کچھ نہ وحدت ہے نہ کثرت نہ حقیقت نہ مجاز
یہ ترا عالمِ مستی وہ عالمِ ہوش

مظہرِ ہستیٔ عرفانِ عدم ہے مری ذات
کچھ نہ تھا ورنہ بجز سلسلۂ برہمِ ہوش

عجب اک سانحۂ ہوش ربا تھی وہ نگاہ
میں ہوں اک عمر سے فانیؔ ہمہ تن ماتمِ ہوش!

غ

سب منزلِ فنا ہے نہ پہلو مکانِ داغ
دل رہ گیا ہے نام کو باقی نشانِ داغ

اے عشق خاکِ دل پہ ذرا مشق فتنہ گر
پیدا کر اس زمیں سے کوئی آسمانِ داغ

دل کچھ نہ تھا تمہاری نظر نے بنا دیا
دنیائے درد عالمِ حسرت جہانِ داغ

پہلے اجل کو رخصتِ تلقینِ صبر دے
پھر آخری نگاہ سے سن داستانِ داغ

وہ تیری بزم تھی نہ ملی جس میں چپ کی داد
یہ محشر ہے یہاں تو کھلے گی زبانِ داغ

ہم سادہ دل خوش ہیں کہ ہوئی نذرِ دل قبول
اس بدگمان کو تھا نظر امتحانِ داغ

سارا ملال پیار کی نظروں سے مٹ گیا
ان رہزنوں نے لوٹ لیا کاروانِ داغ

فانی زمینِ گورِ غریباں ہے لالہ زار — پھر فصلِ گل میں خاک ہوئی ترجمانِ داغ

ق

اھل نظر کی آنکھوں میں کیوں ہو نہ جائے عشق
بہتر ہے کحل طور سے بھی خاک پائے عشق

میری نگاہ شوق نے پایا ہے یہ لقب
دربان آستانۂ دولت سرائے عشق

دیوانہ بن کے چھوڑ دے سب سے یگانگی
ناآشنائے عقل ہو اور آشنائے عشق

میں تم سے کیا کہوں نہ سنائے خدا تمھیں
ہے ناشنیدنی مری جاں ماجرائے عشق

ک

گزر گیا انتظار حد سے یہ وعدۂ ناتمام کب تک
نہ مرنے دے گی مجھے ستمگر تری تمنا خام کب تک

اجل مرا اتنا کام کر دے کہ کام میرا تمام کر دے
رہے کوئی زندگی کے ہاتھوں جہاں رسوائے عالم کب تک

وہ آئے وعدے پر یا نہ آئے بلا سے قسمت جو کچھ دکھاوے
مگر ہمیں دیکھنا تو یہ ہے کہ آج ہوتی ہے شام کب تک

یہ بحث و تکرار چھوڑ دے آ یہ زہد کا عہد توڑ دے آ
رہے گی اے مدعی حرمت شراب دنیا حرام کب تک

منزلِ عشق ہے، نمود و وجود — ہم بھی ہیں تیری بدگمانی تک
موت ہے ایک وقفۂ موہوم — زندگانی سے زندگانی تک
مہربانی کی آس رہنے دے — کون جیتا ہے مہربانی تک
ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا — بات پہنچی تری جوانی تک

نیند تھی چشم نازنیں فانی
ایک بے خواب کی کہانی تک

اے دل یہ تیری حوصلہ مندی کب تک — اس بزم میں خدمت سپندی کب تک
منزل سے غرض راہ بلا سے کچھ ہو! — اندازۂ پستی و بلندی کب تک
ناکام ہیں جذبۂ خودی کو بھی کبھی — یہ شیوۂ عجز و مستمندی کب تک
کب تک مری سمت بے نیازانہ نگاہ — اے حسن یہ وضع خودپسندی کب تک

آخر یہ جناب عشق کی خدمت ہیں
فانی شرفِ نیاز مندی کب تک

گ

سیکھیے دل کے چھیننے کے ڈھنگ
نہ گئی دل کے ساتھ دل کی امنگ

دل ہے اور سحر سازی اور اک
آنکھ ہے اور فریب گردش رنگ

تیغ قاتل تری دہائی ہے
میری موت اور یہ دست بردِ رنگ

بیں دو نیلائے دیدۂ دل ہیں
بزم صد رنگ و جلوۂ بے رنگ

شمع ہوں بے نیاز ظلمت و نور
آئینہ ہوں بغیر صیقل و زنگ

میں ہوں عالم کو بے دلی کا پیام
خیر و شر مدعا نہ صلح نہ جنگ

راز نیرنگیٔ حقیقت ہوں!
میں ہوں فانیؔ حقیقت نیرنگ

مایۂ ناز راز ہیں ہم لوگ
محرم راز ناز ہیں ہم لوگ

بزم دل میں دیا نہ عیش کو بار
صاحب امتیاز ہیں ہم لوگ

ہم سے ملتی ہے برق طور کو داد
وہ تبسم نواز ہیں ہم لوگ

عقل عاجز ہے بے خبر ہے ہوش
چشم بد دور راز ہیں ہم لوگ

حشر امید سے مراد ہیں ہم
گلہ ہائے دراز ہیں ہم لوگ

تیری ناز آفرینیاں ہیں گواہ
کہ سراپا نیاز ہیں ہم لوگ

حسن بے جلوہ کچھ سہی فانیؔ
جلوہ جلوہ ساز ہیں ہم لوگ

ل

ٹھکرا کے اڑا دے پھر ہر ذرّہ خاک دل
ہر سجدے سے پیدا کر اک سجدۂ مستقبل
مشکل ہو تو آساں ہو مشکل ہی نہیں شاید
آساں ہی نہیں ہوتی اللہ مری مشکل
اک حق کے سوا کوئی ہستی ہی نہ تھی یارب
پردل میرے سرآنکھوں پر تمیز حق و باطل
اس کشتی ہستی کو طوفاں ہی مبارک تھا
گرداب حوادث کے آغوش میں تھا ساحل
ہر دل میں ترا جلوہ ہر لب پہ ترا چرچا
غم زینت صد خلوت غم رونق صد محفل

مجھے عزیز ہے فرمان موت میں تعجیل
کہ موت کی یہ تمنا ہے زندگی کی دلیل
نوید لطف ہے دل کی ہر آرزو کے لئے
تری نگاہ ہوئی خون آرزو کی کفیل

ابھی سے شورِ قیامت جگا رہا ہے مجھے
ابھی ہوئی تھی کچھ آرام یک نفس کی سبیل

ترے خیال کو وا جب کیا محبت نے
ترے خیال کی ممکن نہ تھی کوئی تشکیل

سراغِ منزل و تائید راہ بہ تو کجا
ملا نہ راہِ وفا میں نشانِ فرسنگ و میل

عجب نہیں تری رحمت کی حد نہ ہو کوئی
گناہ گارِ ازل ہوں مری سزا میں ہے ڈھیل

نگاہِ آخرِ فانی سے مختصر سُن لو!
زبانِ خلق پہ ہوگی یہ داستاں طویل

م

خاک بہ سر تجھ سے صبا اور ہم | خوں شدہ دل تجھ سے حنا اور ہم
وادیٔ مجنوں میں گزر کر کے دیکھ | خاک اڑاتے ہیں صبا اور ہم
درخورِ انعامِ جفا اور رقیب | قابلِ تعزیرِ وفا اور ہم
گم شدگانِ رہِ غم کی مثال | قیس ہے اک آبلہ پا اور ہم
عقدۂ دل گو نہ کھلے یا کھلے | آج ہے وہ بندِ قبا اور ہم

○

دل اور دل میں یاد کسی خوش خرام کی
سینے میں حشر لے کے چلے ہیں جہاں سے ہم
اب چارہ سازئی دل بیمار کیا کریں!
اے مرگ ناگہاں تجھے لائیں کہاں سے ہم
اللہ رکھے ہم کو سہارا ہے ضعف کا
بیٹھے تو پھر اٹھیں گے نہ اس آستاں سے ہم
کیا کیا دیئے فریب غم عشق یار نے
دل ہم سے بدگماں ہے اور رازداں سے ہم

○

کیا کہیں کیوں خاموش ہوئے سن کے تری فرقت کی خبر ہم
نالۂ دل کے جتنے تھے اجزا ہو گئے سارے درہم و برہم
گو بیٹھے بھی اٹھے بھی ہم، محفل دشمن میں تری خاطر
بیٹھ گئے دل زار کی صورت اٹھے صورت درد جگر ہم
شکوۂ جور بتاں ہم کرتے ظاہر درد نہاں ہم کرتے
مانا آہ و فغاں ہم کرتے لاتے کہاں سے تجھ کو اثر ہم
کوئی گھڑی اے بیخودی غم دم لینے دے سنبھل لینے دے
آ کوئی دم اے ہوش کہ تجھ سے پوچھیں گے کچھ اپنی خبر ہم
دوست تسلی دینے آئے لیکے دوائیں چارہ گر آیا!

لیجیے آئی نہ زخم جگر پر اور اک تازہ آفت مرہم
ڈوب ہی جائے کشتئ ہستی کچھ تو ہو آخر ورنہ کہاں تک

بحر تلاطم خیز جہاں میں یوں ہی رہیں گے زیر و زبر ہم
گھڑیاں اپنے غم کی ہم نے غنچوں میں مل جل کے گزاری ہیں
آئے تھے فانی باغ جہاں میں گویا مثل نسیم سحر ہم

○

واہ ری شوق میں وارفتہ رفتار ہیں ہم
بے خودی کچھ تو بتا کس کے گنہگار ہیں ہم

ہاں ابھی بے خبر لذت آزار ہیں ہم
مژدہ اے مشق ستم تازہ گرفتار ہیں ہم

ہو غم ہستی جاوید گوارا کیوں کر
جان کر یاد دیں کہ بہت جان سے بیزار ہیں ہم

ہم نے گویا صلۂ مہر و وفا بھر پایا
کاش اتنا ہی وہ کہہ دیں کہ جفا کار ہیں ہم

حسن حیرت تو میسر ہے تماشا نہ سہی
تیری محفل میں ہیں گو نقش بہ دیوار ہیں ہم

یوں تو کچھ غم سے سروکار نہ راحت کی تلاش
غم کوئی دل کے عوض دے تو خریدار ہیں ہم

وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانی
دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنہگار ہیں ہم

زندگی کا ہے امتحاں انجام
خدرا ے آہ الاماں انجام

تیرے گھر کی زمیں ارے توبہ
ذرہ ذرہ ہے آسماں انجام

حسن ہے جاودانِ بے آغاز
عشق آغاز جاوداں انجام

طبع نازک پہ بار اک اک حرف
حال دل حرف داستاں انجام

اور جو بل جائے دل سے دل یارب
ایک دل کا ہے دو جہاں انجام

کم نہ تھی عمر اک نظر کے لئے
عشق تھا مرگ ناگہاں انجام

پوچھتے ہو نشان فانی کیا
وہ ہے اک قبر بے نشاں انجام

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم

دعا تو خیر دعا ہے امید خیر بھی ہے
یہ مدعا ہے تو انجام مدعا معلوم

ہوا نہ راز رضا فاش وہ تو یہ کہیے
مرے نصیب میں تھی ورنہ سعی نامعلوم

مری وفا کے سوا غایت جفا کیوں ہو
تری جفا کے سوا حاصل وفا معلوم

کچھ ان کے رحم پہ تھی یوں ہی زندگی گزرتی تو
کہ ان کو راز محبت بھی ہو گیا معلوم

ترے خیال کے اسرار بے خودی ہیں کھلے
ہمیں چھپا نہ سکے ورنہ دل کو کیا معلوم

فریب امن میں کچھ مصلحت تو ہے ورنہ
سکون کشتی و توفیق ناخدا معلوم

وہ التفات کہ تھا اسکی انتہا بھی ہے
خدا کی مار کہ دل کو یہی نہ تھا معلوم

یہ زندگی کی ہے روداد مختصر فانی
وجود درد مسلم علاج نامعلوم

راز ناکامیٔ وفا کی قسم! — دل جفا دوست ہے خدا کی قسم
جانتا ہوں حقیقت باطل — ماسوا تو ہے ماسوا کی قسم
حسن مطلق بھی ہے حجاب اُن کا — اعتبارات بر ملا کی قسم
دل ہے اب التفات کے قابل — بے کسی ہائے مدعا کی قسم
غم فرقت ہے ابتدا دل کی — مالک علم ابتدا کی قسم!
نور ظلمت جدا نہیں ہوتے — آپ کی چشم سرمہ سا کی قسم
عین کشتی ہے رانہ ہر گرداب — زور بازوئے ناخدا کی قسم
عشق رسوا مجھی کو تھا منظور — سعیٔ اظہار ماجرا کی قسم
بس ہوں فانیؔ صحیفہ باقی — حرف بے معنیٔ فنا کی قسم

مجھ پہ رکھتے ہیں حشر میں الزام — آئے نہ جائے زباں پہ تیرا نام
ضبط کی کوششیں بھی جاری ہیں — درد بھی کر رہا ہے اپنا کام
جو عبادت نہ ہو ترے غم سے — اہل دل بیہودہ زندگی ہے حرام
وقفۂ موت بھی غنیمت ہے — کچھ تو فی الجملہ مل گیا آرام
اس نے دیکھا ہے شام کا منظر — جس نے دیکھی ہے بیکسوں کی شام
کس سے اب درد کی دوا چاہوں — درد اٹھتا ہے لیکے تیرا نام

اب قیامت قریب ہے فانیؔ
فتنۂ عشق ہو چلا ہے تمام

ن

آئینہ جلوۂ معشوقِ ازل کا میں ہوں
عکس محبوب ہے دل محوِ تماشا میں ہوں
نگہ ناز کو ہے فخر کہ میں ہوں قاتل
لبِ جاں بخش کو دعوئ کہ مسیحا میں ہوں
دل ربا دلبر و دلدار و دل آرا تم ہو
عاشق و والہ و دلدادہ و شیدا میں ہوں
سخت مضطر ہوں شبِ ہجر میں تنہائی سے
اے اجل تو ہی خبر لے کہ اکیلا میں ہوں
یاس کی شکل میں امید نظر آئے جسے
سچ تو یہ ہے کہ وہ ناکام تمنا میں ہوں
شمع دیرینۂ بزمِ احدی ہوں فانیؔ
عاشقِ جلوۂ معشوق سراپا میں ہوں

چراغِ کشتہ آرام گاہِ بے نشانی ہوں
میں رو پائے پریشان فنا ہوں یعنی فانی ہوں

خلوص ربط مرگ و عشق میں کچھ شک نہیں لیکن
عزیز خاطر نامہربان سخت جانی ہوں

دیار نامرادی میں مری اک عمر گذری ہے
ابھی ناواقف رسم جہاں کا مرانی ہوں

گئے وہ دن کہ میں امیدوار مرگ تھا فانی
اب اک مدت سے ماتم اور مرگ ناگہانی ہو

آکے تماشا گاہ جہاں میں داد تماشا کیا چاہوں
یاں ہر ذرہ کہتا ہے میں ذرہ نہیں اک دنیا ہوں

محو تماشا ہوں میں یارب یا مدہوش تماشا ہوں
اس نے کب کا پھیر لیا منہ اب کس کا منہ تکتا ہوں

شب اشکوں کے طوفاں کا وہ جوش خروش ارے توبہ
ہر اشک اٹھ کر کہتا تھا میں دل کے لہو کا دریا ہوں

زباں مدعا آشنا چاہتا ہوں
دل اب زندگی سے خفا چاہتا ہوں

ادا کو ادا آشنا چاہتا ہوں
تجھی پر تجھے مبتلا چاہتا ہوں

وفا چاہتے ہیں وفا چاہتا ہوں
وہ کیا چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں

محبت کو رسوا کیا چاہتا ہوں
نظر محرم التجا چاہتا ہوں

تعین غم عشق کا چاہتا ہوں!
انھیں چاہتا ہوں یہ کیا چاہتا ہوں

ترے دل کو درد آشنا چاہتا ہوں — بھلا چاہتا ہوں بُرا چاہتا ہوں

بہت تنگ ہے وسعتِ ہستی کی دنیا — میں عالم ہی اب دوسرا چاہتا ہوں

شبِ ہجر تیرا تصور ہی تو ہے — تجھے آج تجھ سے جدا چاہتا ہوں!

مری موت ماتم کا حسنِ طلب ہے — سکوں ایک ہنگامہ زا چاہتا ہوں

خطا ڈھونڈتا ہوں عطاؤں کے قابل — عطا چاہتے ہیں خطا چاہتا ہوں

پھر اس بزم کو ڈھونڈتی ہیں نگاہیں — پھر اک شکوۂ برملا چاہتا ہوں

وہ فریاد کا عہد پھر یاد آیا — پھر اک نالۂ نارسا چاہتا ہوں

پھر آدابِ فرقت میں ملحوظ ہیں جی! — ہجومِ بلا در بلا چاہتا ہوں

پھر اک سجدۂ توبہ کی آرزو ہے — تجھے آپ سے پھر خفا چاہتا ہوں

پھر امیدوارِ کرم ہوں کہ فانی — ستم ہائے شوق آزما چاہتا ہوں

کوئی وجہِ تسکین نہیں غم نہ راحت — خدا جانے فانی میں کیا چاہتا ہوں

تسکین عجب چاہتا ہوں — دشمن کا نصیب چاہتا ہوں

تم دل میں بھی رہ کے دور سے ہو — کچھ اور قریب چاہتا ہوں

ہوں محوِ جمالِ عالم افروز — عالم کو رقیب چاہتا ہوں

انجام بخیر ہو نظر کا — دیدارِ حبیب چاہتا ہوں

غم کو جو خوشی بنا کے چھوڑے — فانی وہ نصیب چاہتا ہوں

ہر سانس کے ساتھ جا رہا ہوں — میں تیرے قریب آ رہا ہوں

یہ دل میں کراہنے لگا کون
رو رو کے کسے رلا رہا ہوں

اب عشق کو بے نقاب کر کے
میں حسن کو آزما رہا ہوں

اسرار جمال کھل رہے ہیں!
ہستی کا سراغ پا رہا ہوں

تنہائی شام غم کے ڈر سے
کچھ ان سے جواب پا رہا ہوں

لذت کش آرزو ہوں فانی
دانستہ فریب کھا رہا ہوں

مانا کہ تری راہ کا نشاں ہوں
یہ بھی تو بتا کہ میں کہاں ہوں

میں تجھ سے جدا ہوں تو نہیں ہے
تو ہے مرے پاس میں جہاں ہوں

جو حال ہے عرض حال بھی ہے
میں آپ ہی اپنی داستاں ہوں

جو چھپ نہ سکے وہ راز ہے عشق
کچھ کہہ نہ سکے وہ رازداں ہوں

مجھ سے نہ ملا سراغ ہستی
بیٹھی ہوئی گرد کارواں ہوں

خم ہے سر عرش میرے آگے
کس سجدۂ شوق کا نشاں ہوں

ہے میری بقا فنا میں فانی
اس باغ میں برق آشیاں ہوں

گردش میں تھا وہ ایک ہی جلوہ کہاں کہاں
تھی فرش راہ چشم تماشا کہاں کہاں

ذرے میں دشت قطرے میں طوفاں چھپے رہے
ڈالا مری نگاہ نے پردا کہاں کہاں

بزم الست دار فنا جلوہ گاہ حشر
پہونچی ہے لیکے ان کی تمنا کہاں کہاں

قلب و جگر کے درد کا پھر کس کو ہوش تھا
آخر نگاہِ دوست میں فانی نے پالیا!

جب اس نے مسکرا کے یہ پوچھا کہاں کہاں
یوں مرگِ ناگہاں تجھے ڈھونڈا کہاں کہاں

کم ہے ہر ذرۂ خورشید اثر کا دامن
یہ مرے دستِ تظلم کی رسائی یہ نصیب

کم ہے آج آنکھ میں اک قطرۂ دریا دامن
ہجر میں دامنِ دل عشر میں ان کا دامن

پست کر حوصلۂ ذوقِ تماشا کہ ہنوز!
دور ہے وہم نظر سے وہ اچھوتا دامن

مری آنکھوں سے بہنا چاہتے دل کا لہو برسوں
رہی ہے ان کو خونِ آرزو کی آرزو برسوں
جیسے جلنے کی تہمت کس سے اٹھتی کسطرح اٹھتی
ترے غم نے بچا لی زندگی آئندہ برسوں
نگاہوں نے دلوں میں دل نے آنکھوں میں تجھے ڈھونڈا
تری دھن میں رہے سودائیانِ جستجو برسوں
نقابِ جلوہ کی کایا پلٹ دی شوقِ بے حد نے
مری وحشت نے توڑا ہے طلسمِ رنگ و بو برسوں
تری ایذا پسندی کی ادا بھی کیا قیامت ہے
مجھے مرنے نہ دے گی آرزوئے مرگ تو برسوں
ہماری بے کسی کی موت بدلہ تھی اسیری کا!

رہا طوقِ اسیری بھی گرفتارِ گلو برسوں

کیے جائیں گے دل کے خلا تم پہ شکر کے سجدے
وفاؤں نے کیا ہے خونِ حسرت سے وضو برسوں

نہ چھیڑا اے نامرادی خستہ امید باطل ہوں
رہا ہے چاکِ دلِ آزردۂ عشقِ رفو برسوں

تجھے اور حالِ دل سے یہ تغافل توبہ کر توبہ
کہ تجھ سے میری خاموشی نے کی ہے گفتگو برسوں

مری اک عمرِ فانی نزع کے عالم میں گزری ہے
محبت نے مری رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسوں

فرقت میں تارِ اشک ہے ہر تارِ آستیں
ہر داغ خون ہے دیدۂ خوں بارِ آستیں

دکھ پنجۂ جنوں سے سروکارِ آستیں
کب تک رہیں گے ہاتھ گرانبارِ آستیں

کل تک جو ہاتھ چشم و چراغِ جنوں رہا
ہے آج فرطِ ضعف سے آزارِ آستیں

انبار آنسوؤں کے ہیں خونِ جگر کے ڈھیر
معمور ہے خزانۂ سرکارِ آستیں

چھائی ہوئی ہیں دل پر اسرار کی گھٹائیں
رحمت کی بجلیوں سے معمور ہیں فضائیں!

رہ جائے کیوں فنا کا ہنگامہ نامکمل
کچھ میری زندگی سے لے لیجئے بلائیں

ہاں اے یقینِ وعدہ دامن ترا نہ چھوٹے
یہ آسرا نہ ٹوٹے وہ آئیں یا نہ آئیں

دیکھوں سنا کروگے بیگانہ وار کب تک
تم میری حسرتوں کی خاموش التجائیں

انصاف چاہتا ہوں انصاف ہو رہیگا — بیداد گر یہ آہیں خالی گئیں نہ جائیں

کہتے جو درد دل کو تم درد دل سمجھتے — افسانہ کیا سنو گے افسانہ کیا سنائیں

وہ منفعل نگاہیں کیا کہہ گئیں کہ فانی
شرمندۂ اثر ہیں روٹھی ہوئی دعائیں

ان کے آگے جب یہ آنکھیں ڈبڈبا کر رہ گئیں
وہ حیا پرور نگاہیں مسکرا کر رہ گئیں!

کچھ جفاؤں کی تلافی کچھ وفاؤں کا صلہ
وہ ادائیں صبر ہی صبر آزما کر رہ گئیں

آسماں سر پر اٹھا لینے کی ہمت اب کہاں
لب تک آئیں بھی اگر ہیں تو آ کر رہ گئیں

ثبت تھی اوراق کن حرف میری سرگذشت
ہستیاں میرا ہی افسانہ سنا کر رہ گئیں

اب مری بربادیوں کو حشر کا ہے انتظار!
جس قدر فتنے میسر تھے اٹھا کر رہ گئیں

میری آشفتہ حالیاں نہ گئیں! — دل کی نازک خیالیاں نہ گئیں

دل حریف زوال غم نہ ہوا — عشق کی بے کمالیاں نہ گئیں

موت ہی زندگی کی حد نہ رہی! — غم کی اعتدالیاں نہ گئیں

میری رسوا نگاہیاں جائیں! تیری رسوا جمالیاں نہ گئیں!
عشق بے گانۂ مجاز رہا ! حسن کی بے مثالیاں نہ گئیں!
ہوش میں لاکھ انقلاب آئے عقل کی خستہ حالیاں نہ گئیں!
موت بھی آہی جائے گی فانی تیری خیروں خیالیاں نہ گئیں!

لاؤ کچھ تکملۂ شوق کا ساماں کرلیں ـــ!
دل بیتاب کو بھی دیدۂ حیراں کرلیں
ہر نفس وقف خیال رخ جاناں کرلیں
زندگی ہجر میں دشوار ہے آساں کرلیں
داد مظلوم نگاہی بھی تو لے لینے دے
ٹھیرا ہے موت کہ قاتل کو پشیماں کرلیں

کیا اب سے موت کو بھی ہم زندگی بنالیں
کیوں کر تری خوشی کو اپنی خوشی بنالیں
فرزانگی تو اپنا مقدور ہی نہیں ہے
کہئے تو عقل ہی کو دیوانگی بنالیں
جس کو خیال پر بھی قابو نہ ہو وہ فانی
تقدیر کیا بنائے تدبیر ہی بنالیں

○

آپ سے شرحِ آرزو تو کریں
آپ تکلیفِ گفتگو تو کریں

وہ نہیں ہیں جو وہ کہیں بھی نہیں
آیئے دل میں جستجو تو کریں

اہلِ دنیا مجھے سمجھ لیں گے
دل کسی دن ذرا لہو تو کریں

رنگ و بو کیا ہے یہ تو سمجھا دو
سیرِ دنیائے رنگ و بو تو کریں

وہ اُدھر رُخ اِدھر ہے میت کا
لوگ فانیؔ کو قبلہ رو تو کریں

○

خود مسیحا خود ہی قاتل ہیں تو وہ بھی کیا کریں
زخمِ دل پیدا کریں یا زخمِ دل اچھا کریں!

دل رہے آلودہ دامن اور ہم دیکھا کریں
آج اے اشکِ ندامت آ تجھے دریا کریں

جسمِ آزادی میں پھونکی تو نے مجبوری کی روح
خیر جو چاہا کیا اب یہ بتا ہم کیا کریں

خون کے چھینٹوں سے کچھ پھولوں کے خاکے ہی سہی
موسمِ گل آ گیا زنداں میں بیٹھے کیا کریں

جا بجا تفسیرِ حالِ دل کے چرچے ہیں تو ہوں
ہم ہوئے رسوا مگر اب ہم کسے رسوا کریں

ہاں نہیں شرطِ مروت تاثیر
زخم آ ہی جائے گا ان کو تقاضا کیا کریں

شوقِ نظارہ سلامت ہے تو دیکھا جائے گا
ان کو پردہ ہی اگر منظور ہے پردہ کریں

ظرفِ ویرانہ بقدرِ ہمتِ وحشت نہیں
لاؤ ہر ذرے میں پیدا وسعتِ صحرا کریں

مرگِ بے ہنگام فانی وجہِ تسکیں ہو چکی
زندگی سے آپ گھبراتے ہیں گھبرایا کریں

○

کیوں دل کو صرفِ کشمکشِ جستجو کریں
لاؤ اسے شہیدِ غمِ آرزو کریں!

کچھ شغل چاہیے جو نظر کو تو پھر حضور
دل چاک ہو گیا ہے اسی کو رفو کریں

تھوڑی سی دیر گریۂ خونیں ہی ہو رہے
بڑھ لے کچھ اور درد تو دل کو لہو کریں

ناخوشگوار ہے جو محبت کا تذکرہ!!
اچھا تو لاؤ اور کوئی گفتگو کریں

فرقت میں موت مانگنے والوں کا کیا قصور
آخر یہ نام و آرزو کریں

مطلب یہ ہے کہ آج ہوئی نذرِ دل قبول
ارشاد ہے کہ آئینہ ہم روبرو کریں

فانی اب اٹھ کہ مست جھونکے نسیم کے
جل کر چمن میں شعلۂ مے بے سبو کریں

○

زخم نصیب تھا جگر زخمِ جگر سے کیا کہیں
ان کی نظر نے کیا کیا ان کی نظر سے کیا کہیں

رسم وفا سے بے خبر ہم بھی نہیں مگر حضور
بس بھی تو آنسوؤں پہ ہو دیدۂ تر سے کیا کہیں

آہ انھیں کی ہے خطا خیر وہ بے اثر سہی
دیں گے اثر بھی اب وہی باب اثر سے کیا کہیں

راز نیاز ہے کہیں منہ سے نکالنے کی بات
سجدۂ دل کی واردات سجدہ سر سے کیا کہیں

شکوۂ غم سے فائدہ شکر ستم بھی کیا ضرور
حسن کے شعبدوں کا حال شعبدہ گر سے کیا کہیں

دل کے سوا یہاں کوئی محرم دردِ دل نہیں
بے خبر دل سے کیوں کہیں اہل خبر سے کیا کہیں

حسن جفا پسند سے حسرت عرض شوق کیا
تشنہ لبی کا ماجرا آب گہر سے کیا کہیں

دل کے چمن کی کلی دیر ہوئی کہ جل گئی !
باد سحر کو کیا خبر باد سحر سے کیا کہیں

فانی اب اس سے عرض حال کیجئے بار بار کیا!
وہ نہ سنے مر سے کیا سنیں ہم نے سر سے کیا کہیں

کیسی بہار اب وہ خزاں کے بھی دن گئے
اب ہم کہیں ہیں دام کہیں آشیاں کہیں

یوں ہم انسان دوست بنے بھی تو کیا بنے
ملتا نہیں کسی کو ہمارا نشاں کہیں

غم رہ گیا ہے عہد محبت کی یادگار
یہ بھی نہ ہو نصیب دل دشمناں کہیں

وعدوں[۲] پہ ہیں کیوں ناحق امید کی تاکیدیں
بندھتی ہیں کہیں ظالم ٹوٹی ہوئی امیدیں!

یہ فیض محبت ہے اقبال محبت ہے
ہر آہ کو حاصل ہیں تاثیر کی تائیدیں

آغاز محبت کے اللہ وہ کیا دن تھے!
وہ شوق کے ہنگامے وہ شوق کی تمہیدیں

بیداد اسے کہتے ہیں شوخی تو نہیں کہتے
خود درد بھی دیں اس پر خود صبر کی تاکیدیں

شہزادہ[۱] والا شان آئے تجھے کہ عید آئی
اس سال مبارک ہوں فانی تجھے دو عیدیں

۱؎ ان تینوں اشعار میں اس عبرت ناک زندگی کی طرف اشارہ ہے جو فانی صاحب نے حیدر آباد میں گذاری حالانکہ بظاہر بڑے بڑے درباروں میں ان کی رسائی تھی۔
۲؎ بعض وعدہ خلافیوں کو مخاطب کیا ہے۔

○

اتنا تو پوچھ لیجئے جانے سے پیشتر!
حسرت نواب نہیں دل امیدوار ہیں
منت پذیر ہمدرئ دوستاں نہیں
اپنا ہی ہیں انیس ہوں شب ہائے تار میں
قسمت ہوئی تھیں روز ازل جتنی شوخیاں
سب جمع ہو گئیں نگہ شرمسار میں
اللہ رے کثرت گل دریاں کہ ان دنوں
فردوس ایک پھول دست بہار میں

○

جو تاب دلنوازئ درماں نہ لا سکے
میں ہوں وہ درد وغم کدہ روزگار میں
ہے عکس روئے دوست پہ ایک پرتو مجاز
میری نظر بھی کھینچ گئی تصویر یار میں
دعویٰ یہ ہے کہ دوری معشوق ہے محال
مطلب یہ ہے کہ قرب نہیں اختیار میں
قربان ایک ادائے تغافل پہ لاکھ بار
وہ زندگی جو صرف ہوئی انتظار میں

لے جو ہز ہائینس شہزادۂ والاشان نواب معظم جاہ بہادر کی واپسی از سفر کی طرف اشارہ ہے۔

اُمید کرم کی ہے ادا میری خطا میں
ایک بات نکلتی ہے مری لغزش پا میں

سمجھو تو غنیمت ہے مرا گریۂ خونیں
یہ رنگ ہے پھولوں میں نہ یہ بات حنا میں

جھک جاتے ہیں سجدے میں سر اور پھر نہیں اٹھتے
کیا سحر ہے کافر ترے نقش کف پا میں

وہ جان محبت ہیں وہ ایمان محبت
جو ان کے اشارے ہیں محبت کی ادا میں

پاتا ہوں کچھ آثار تمنا ابھی فانی
کھوئی ہوئی دنیا ہے مری دل کی فضا میں

پہلوئے زوال ہوں معنی کمال ہیں
میں ہوں حد انتہائے جلوۂ جمال ہیں

بیخودی کدھر گیا وہ حجاب اضطراب
کیا ہوا جو فرق تھا ہجر و وصال میں

آدمی میں کچھ نہیں آپ نے سمو دیا
عالم غبار کو خیال میں

ابتدائے زندگی انتہائے زندگی
آپ کے خیال سے آپ کے خیال میں

عرض ناز برملا ہے کثرت مجاز کا
آئینے سے لگ گئے پرتو جمال میں

میرے ہر سوال پر وہ خموش ہی رہے
کیا مرا جواب تھا خود مرے سوال میں

فانی شکستہ تو نے کر دیئے جدا
ورنہ ممکنات شوق جذب تھے محال میں

٥

فصلِ خزاں بڑھا گئی عمر کے بابِ راز میں
یادِ وصالِ مختصر مل کے شبِ دراز میں

جلوۂ اختیار سے نسبتِ جبر ہے مجھے
شعلۂ آرمیدہ ہوں وادیٔ برقِ ناز میں

بے اثری اب مجھے قبول ایسے اثر کو کیا کروں
اب تو خدا اثر نہ دے آہِ اثر گداز میں

ہم نہ ازل سے آج تک سجدے سے سر اٹھا سکے
چھپ رہے ہیں جلوہ ہائے دوست کعبے کے حریمِ ناز میں

حشر بھی حشر چاہیے حشر پہ حشر چاہیے!
دفن ہیں سجدہ ہائے شوق ناصیۂ نیاز میں

چشم براہِ یار ہوں منتظرِ فشار ہوں!
سبزۂ رہ گزار ہوں عالمِ عمرِ ناز میں

چارۂ تپ فراق کا شکر نہیں تو کچھ نہیں
لوٹے مزاجِ یار سے شغلِ بہانہ باز میں

عالمِ درد کا نظام ہے کہ فدا اللہ تو
عشق سے فرق آ گیا حسن کے امتیاز میں

زہر ہے یاد وائے دل وہ بھی کمی موت سے قہر
رعشۂ مرگ ہی نظر میں ہے کہ کفِ چارہ ساز میں

فانیٔ زار کا ہوا خیر سے خاتمہ بخیر
عمر تمام ہو گئی عشق کے سوز و ساز میں

٥

جب کی ہے فکر تجزیہ ہر مثال میں
گم ہو گئی ہے ان کی تجلی جمال میں

امکانِ معرفت کو سمجھ کر محال میں
وہ دل میں یوں رہے کہ نہ آئے خیال میں

ٹوٹا نہ ہم سے رشتۂ رسمِ حجابِ عشق
چھوٹا نہ ہم سے ہجر کا دامن وصال میں

قدموں پہ گر کے کوئی خطا وار مر نہ جائے
ذوق آفرینیاں ہیں تمہارے ملال میں

ملتی نہیں تصورِ ہستی سے اب نجات
گھر سے گیا ہوں حلقۂ دامِ خیال میں

آخر زمانہ آئینہ دکھلا کے رہ گیا!
لانا پڑا تمہیں تمہاری مثال میں

اپنی طرف بھی جھک کے نگاہیں رہیں بلند — دیکھا کیے کمال کا پہلو زوال میں
گھٹتا ہے جی کہ ہم ہیں نہ مختارِ انفعال — اک موج خون بھی ہے عرقِ انفعال میں

فانی ہے ان سے طالبِ مرگِ عاشقی
اے ہمت سوال اثر دے سوال میں

رہ رو ہوں خضر کا رہِ عرفان و خبر میں
وہ نقشِ کفِ پا ہوں نہ ہی راہ گزر میں
کانٹوں میں بھی پھولوں کی ادا تھی مرے آگے
اب باغ میں جو پھول ہے کانٹا ہے جگر میں
اور اک ہے مظہر مری شوریدہ سری کا
سودا ہے بعنوانِ محبت مرے سر میں
اس عالمِ تصویر کو دیکھا تو یہ دیکھا
میری ہی نظر محو ہے میری ہی نظر میں
تم تھے تو میری شام میں تھا صبح کا عالم
تم جب سے گئے شام جھلکتی ہے سحر میں
ہر اشک تری یاد کے جلووں سے ہے معمور
دنیا سمٹ آئی ہے مرے دیدۂ تر میں
فانی ہے مری آہ و فغاں میں اثر اتنا!
شاہد مری تقدیر کی گردش ہے اثر میں

○

آوردہ جانتا ہوں فریب نظر کو میں!
دیکھوں الٹ کے پردۂ داغ جگر کو میں

ہر نقش پا کو دیکھ کے ڈھونڈھتا ہوں سر کو میں
پہچانتا نہیں ہوں تری رہ گزر کو میں

عہد خزاں میں رفتۂ آشوب ہوش ہوں
بھولا ہوا ہوں موسم دیوانہ گر کو میں

گم کردہ راہ ہوں قدم اولیں کے بعد
پھر راہ بر مجھے نہ ملا راہبر کو میں

وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو
پوچھوں نہ خضر سے بھی کہ جاؤں کدھر کو میں

مایوس انتظار ہوں مجنوں اضطراب
ہنستا ہوں دیکھ دیکھ کے دیوار و در کو میں

بہلا نہ دل نہ تیرگی شام غم گئی!
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

وہ ہچکیوں میں دم شرع کہہ گیا
شرح دراز زندگی مختصر کو میں

فانی دعائے مرگ کی فرصت نہیں مجھے
یعنی ابھی تو ڈھونڈھ رہا ہوں اثر کو میں

○

بتایا راستہ عشق مجازی نے حقیقی کا
خدا کی شان رہزن بھی کبھی رہبر نکلتے ہیں

مری آنکھوں سے ہے زخم کو ربط پنہانی
ترے پیکاں کے ریزے اشک میں اکثر نکلتے ہیں

ابھی آگ لگ جائے زمانے کی دو رنگی کو
جنہیں نازک سمجھو وہی پتھر نکلتے ہیں

مبارک فانیِ بسمل کہ تیرے ذبح کرنے کو
نئی چھریاں نکلتی ہیں نئے خنجر نکلتے ہیں

جس دل ربا سے ہم نے آنکھیں لڑائیاں ہیں
آخر اُسی نے ہمکو آنکھیں دکھائیاں ہیں

ہریاں ہیں فصلِ گل میں چلتی ہیں جو ہوائیں!
پھولوں سے اپنی جیبیں بھر بھر کے لائیاں ہیں

ہے رات وصلِ گل کی اور رُت ہے فصلِ گل کی
چن چن کے ہم نے کلیاں سیجیں بچھائیاں ہیں

ہاں یاد بھی نہیں ہے دل اسکی تلاش کیسی!
کیوں دل چرا کے تم نے آنکھیں چرائیاں ہیں

شاید فسانۂ غم سچا سمجھ گئے تم
صدقے ان انکھڑیوں کے یہ کیوں بھر آئیاں ہیں

تیری ہی اے شبِ غم کچھ کم نہ تھی سیاہی
کیوں بدلیاں یہ کالی گھر گھر کے چھائیاں ہیں

لاکھوں جتن کیے ہیں مر مر کے ہم جیے ہیں
کیا کہیے کیسی کیسی کڑیاں اُٹھائیاں ہیں

جوشِ جنوں میں اکثر دشمن سے ہم نے فانی
جو دل پہ بیتیاں ہیں سب کچھ سنائیاں ہیں

لے یہ غزل علی گڑھ کی طالب علمی کے زمانہ کی ہے مولانا حسرت موہانی کی فرمائش
سے قدیم زمانہ کی پابندی کے ساتھ ۱۹۲۰ میں کہی گئی ہے۔

○

خراب لذت دیدار یار ہم بھی ہیں
ترے شریک دل بیقرار ہم بھی ہیں

نہ دن کو چین ہے نہ راتوں کو تیری طرح اداس
جلے ہوئے تہ ابر غبار ہم بھی ہیں

امید مرگ سے باقی تو نا امید نہیں
کہ اپنی وضع کے امیدوار ہم بھی ہیں

کسی کی بزم طرب میں کچھ ایک شمع نہیں
حریف گریۂ بے اختیار ہم بھی ہیں

ادھر بھی دیدۂ عبرت نگاہ ایک نظر
کہ عہد شوق کی اک یادگار ہم بھی ہیں

یہاں بھی ہے دل آگاہ وقف لذت غم
خراب مستئ عیش خمار ہم بھی ہیں

حجاب ہوش اٹھا اب کوئی حجاب نہیں
خیال یار ہے اب ہم کنار ہم بھی ہیں

جنہوں نے دی ہمیں راحت وہ گئے اے فانی
نشانہ الم روزگار ہم بھی ہیں

○

مرکے ترے خیال کو ٹالے ہوئے تو ہیں
ہم جان دے کے دل کو سنبھالے ہوئے تو ہیں

رستے ہیں ایک سال کہ پہنے ہیں دیکھیے
پھر فصل گل میں زخم دل آئے ہوئے تو ہیں

بیزار ہو نہ جائے کہیں زندگی سے دل
تاثیر سے خفا مرے نالے ہوئے تو ہیں

پامال درد عشق ان پہ کرم کی نظر رہے
صبر و قرار تیرے حوالے ہوئے تو ہیں

یہ صحبتیں بھی نہ دیکھیے لاتی ہیں رنگ کیا
مہمان خار پاؤں کے چھالے ہوئے تو ہیں

کیا جانیے کہ حشر ہو کیا صبح حشر کا
بیدار تیرے دیکھنے والے ہوئے تو ہیں

ساماں جو یوں نہیں تو نکلتے ہیں کس طرح
یعنی ہمارے دل سے نکالے ہوئے تو ہیں

فانی ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی
سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

یہ دھن ہے تری یاد دھیان ہے تیرا جانے اسے کیا کہتے ہیں
اب ہوش و حواس بھی آٹھ پہر کچھ کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں

اچھا ہے اگر دو آگ کے دریا آنسو بن کر بہتے ہیں!
آنکھوں میں تو رہ کر یہ فتنے طوفان اٹھائے رہتے ہیں

تو ادھر کہیں ہم ادھر کہیں ممکن جو نہ تھا وہ ممکن ہے
جب سنتے تھے تو ڈرتے تھے اب پڑتی ہے تو سہتے ہیں

○

دل کی ہر لرزش مضطر پہ نظر رکھتے ہیں!
وہ مری بے خبری کی بھی خبر رکھتے ہیں!

درد میں لطف خلش کیف کشش پاتا ہوں
کیا وہ پھر عزم تماشائے جگر رکھتے ہیں!

جس طرف دیکھ لیا، پھونک دیا طور مجاز
یہ ترے دیکھنے والے وہ نظر رکھتے ہیں!

خود تغافل نے دیا مژدہ بے داد مجھے
اللہ اللہ مرے نالے بھی اثر رکھتے ہیں

بے بسی دیکھ یہ سو بار کیا عہد کہ اب
تجھ سے امید نہ رکھیں گے مگر رکھتے ہیں

کوئی اس جبر تمنا کی بھی حد ہے فانیؔ
ہم شب ہجر میں امید سحر رکھتے ہیں

دل میں آتے ہوئے شرماتے ہیں
اپنے جلووں میں چھپے جاتے ہیں

ہر نصیحت ہے نرالی ناصح
ورنہ سمجھے ہوئے سمجھاتے ہیں

وہ مرے قتل کا فرمان سہی
کچھ وہ ارشاد تو فرماتے ہیں

جور کو جور بھی اب کیا کہیے
خود وہ تڑپا کے تڑپ جاتے ہیں

دل سے فانی یہ الجھ پڑتا گیا
آپ دیوانے کے منہ آتے ہیں

لب پر ہیں اب وہ نالے جو کھوئے ہوئے سے ہیں
آغوشِ اضطراب میں سوئے ہوئے سے ہیں

کرتے ہیں بزمِ ناز سے ہم اکتسابِ رنگ!
دامانِ دل لہو میں ڈبوئے ہوئے سے ہیں

گزرا اخیر ہر غم و شادی کا مرحلہ
ہنستے ہوئے سے اب ہیں نہ روتے ہوئے سے ہیں

غم ہائے روزگار سے ممکن نہیں گریز
یہ بھی نہیں ستم میں سموئے ہوئے سے ہیں

بالیں پہ آ کے نزع کے پردے نہ چھیڑ دو
نغمے جو سازِ مرگ میں سوئے ہوئے سے ہیں

کچھ پاسِ جوشِ گریہ ہے کچھ پاسِ ضبطِ درد
اشکوں سے آستیں کو بھگوئے ہوئے سے ہیں

دامانِ تیغِ یار سے فانی ہوئے وداع!
دھوئے گئے ہیں اور نہ دھوئے ہوئے سے ہیں

○

تیور ستم ایجاد کے غماز نہیں ہیں — بیداد سے بیداد کے انداز نہیں ہیں
وہ بے خبرِ شوق ہیں کچھ ان سے نہ کہنا — وہ دردِ محبت ہے کہ ہمراز نہیں ہیں
یہ تیری خموشی کی ادائیں کوئی دیکھے — نغمے ہیں جو شرمندۂ آواز نہیں ہیں
ہم تیری محبت کے گرفتار ہیں صیاد — یہ تارِ نفس مانعِ پرواز نہیں ہیں

دل سے بھی اب آتی نہیں فانی خبر اپنی
مدت ہوئی ہم گوش بر آواز نہیں ہیں

○

مجھ کو شکایتِ ستم ناروا نہیں — دل کی سزا یہی ہے تمہاری خطا نہیں
کہنا سوالِ وصل پہ کیا فرض تھا نہیں — آخر کوئی جواب "نہیں" کے سوا نہیں
عادت ہے التجا و دعا کی وگرنہ میں — کیا جانتا نہیں کہ وہ کافر خدا نہیں

دردِ فراق زخمِ جگر حسرتِ وصال!
فانی غمِ نصیب کی قسمت میں کیا نہیں

○

جانتا ہوں کہ مرا دل مرے پہلو میں نہیں — پھر کہاں ہے جو ترے حلقۂ گیسو میں نہیں

ایک تم ہو کہ تمہارے ہیں پرائے دل بھی
ایک میں ہوں کہ مرا دل مرے قابو میں نہیں

دور صیاد، چمن پاس، قفس سے باہر
ہائے وہ طاقت پرواز کہ بازو میں نہیں

دیکھتے ہیں کہ نہیں جاتے ہوئے اور جیتے ہیں
تم بھی قابو میں نہیں موت بھی قابو میں نہیں

حیف جس کے لیے پہلو میں نہ رکھا دل کو
کیا قیامت ہے کہ فانی وہی پہلو میں نہیں

(۹)

وحشت دل اب وہ اگلا سا ستانا چھوڑ دے
خاک اڑاتی جس میں برسوں اب صحرا ہی نہیں

ماجرائے درد دل کو بے اثر کیوں کر کہوں!
بندہ پرور کوئی اس کا سننے والا ہی نہیں

جو کلیجے میں نہ ہو وہ دل میں نہ ہو وہ داغ کیا
ہو نہ جس میں داغ وہ دل وہ کلیجا ہی نہیں

عشق صادق وہ کہ دل سے لب تک آسکے کیا مجال
حسن یکتا وہ کسی نے جس کو دیکھا ہی نہیں

زندگی ہے نام لطف صحبت احباب کا!
یہ نہیں فانی تو جینا کوئی جینا ہی نہیں

( )

زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں
ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں

بے ادب گریہ محرومی دیدار نہیں
ورنہ کچھ در کے سوا حاصل دیوار نہیں

آسماں بھی ترے کوچہ کی زمیں ہے لیکن
وہ زمیں جس پہ ترا سایۂ دیوار نہیں

ہائے وہ بادہ تری سرمہ تقاضا آنکھیں
کیا مری خاک کا ذرہ کوئی بیکار نہیں

○

شکر بیداد ہے خاموشیٔ فریاد نہیں
اس تکلف سے ہے بیداد کہ بیداد نہیں

میری نظروں میں تو ہے واسطۂ دید تو ہے
ہیں بعنوانِ تجلی بھی تجھے یاد نہیں

دل مشتاق اور بے حسی شدت شوق
اب یہ گھر تیرے تصور سے بھی آباد نہیں

غم بہ اندازۂ غلط عیش بہ اندازۂ ترام
دے مجھے وہ دل آگاہ کہ ناشاد نہیں

تیرے سنا کام کا ہونا ہے کہیں کام تمام
تیشۂ غم ہے یہ کوئی تیشۂ فرہاد نہیں

جی چمن ہی میں لگا اور نہ قفس میں بہلا
نالہ بے صیاد نہیں زمزمہ آزاد نہیں

کون سمجھے اثر جلوۂ مستور کا راز
جو سنی جائے محبت کی وہ روداد نہیں

آشیاں پر کرم برق کی باری آئی
مژدہ اے ذوقِ بلا باغ میں صیاد نہیں

صرف عبرت ہے ہر افسانۂ ہستی فانی
حرف حسرت کے سوا عالم ایجاد نہیں

○

نہیں کہ دل کی روش میں کچھ انقلاب نہیں
اب اضطراب کی صورت میں اضطراب نہیں

نظر وہی ہے جو محروم صد تماشہ ہوا
وہ دل ہے جان تمنا جو کامیاب نہیں

غم حبیب پیام سکون موت سہی
مرے نصیب میں تسکین اضطراب نہیں

نگاہ شوق کی رعنائیوں کا کیا کہنا
مگر خدا کی قسم آپ کا جواب نہیں

مجھے یہ دعوت روز حساب کیوں یارب
مرے گناہ تو شرمندہ حساب نہیں

بہ قدر حوصلہ ہے فرق انتظار و فراق!
امید خواب نہ تھی آرزوئے خواب نہیں

بجان فانیؔ مرحوم اب وہ بات کہاں
تری گلی میں جو وہ خانہ خراب نہیں

○

وہ ہمی وہ ہیں مگر ظہور نہیں
اس طرح دور ہیں کہ دور نہیں

کچھ ہمیں کو یہ زندگی ہے عزیز
ان کی بیداد کا قصور نہیں

گھر جلاتے تو ہو مگر کس کا
دل ہے بندہ نواز طور نہیں

تم پہ مرنا جنہیں نہیں آتا
زندگی کا انہیں شعور نہیں

ہم بھی اپنی وفا پہ ہیں مغرور
بات کی بات ہے غرور نہیں

ترک دنیا نہ ہوسکے تو نہ کر
تم دنیا مگر ضرور نہیں

ہم نہ تھے کل کی بات ہے فانیؔ
ہم نہ ہوں گے وہ دن بھی دور نہیں

○

عقل کہتے ہیں جسے مفہوم اہل دل نہیں
اس جنوں کو انتہائے عاشقی حاصل نہیں

ماورائے حد ہر منزل ہے شاید کوئے دوست
ہم نے جو چھانی نہ ہو ایسی کوئی منزل نہیں

گرم رو ہوں نقش پا بنتے گئے جلتے گئے
مسلک اپنا امتیاز جادہ و منزل نہیں

ہر لطافت کا تصور ماسوا آلودہ ہے
آئینہ دل کا تری تصویر کے قابل نہیں

بزم ارباب نظر ہے کب سے ہے تیری منتظر
آ کہ دل کا نام باقی رہ گیا ہے دل نہیں

وہ مسافر ہوں جو ہو ختم سفر سے بے نیاز
میری ہر منزل نشان راہ ہے منزل نہیں

بن نہیں پڑتی ہے تیری اپنے سے تیری سی بات
ہاں مگر اتنا کہ گویا تو ہی تو ہے منزل نہیں

کیا کروں نازک بہت ہے ان کی مرضی کا سوال
ورنہ فانی اس جیے جانے سے کچھ حاصل نہیں

○

ان کی کسی ادا پہ جفا کا گماں نہیں!
شوخی ہے جو بسلسلۂ امتحاں نہیں

دیکھا نہیں وہ جلوہ جو دیکھا ہوا سا ہے
اس طرح وہ عیاں ہیں کہ گویا عیاں نہیں

نا مہربانیوں کا گلہ تم سے کیا کریں
ہم بھی کچھ اپنے حال پہ اب مہرباں نہیں

ابتک لگاوٹیں ہی سہی لاگ تو نہ تھی
یہ کیا ہوا کہ مجھ سے وہ اب بدگماں نہیں

شاید زمیں کو تیرے بناں آسماں ہوئی
کہتے ہیں اب زمیں پہ کہاں آسماں نہیں

برباد صد بہار رہوں میری نگاہ میں
جو آشنائے برق نہیں آشیاں نہیں

ساری ہے درد دل مری رگ رگ میں جانشیں
کیا پوچھنا ہے درد کہاں ہے کہاں نہیں

کل تک زبان خلق پہ ہوگی وہ داستاں
ابتک مری زباں پہ جو داستاں نہیں

تیرا کرم کہ تو نے وہ دل کو عطا کیا!
جو غم بقدر حوصلہ آسماں نہیں

بجلی کہیں گری ہو مگر ہے قفس مجھے
ڈر ہے کہ اب کسی نے کہا آشیاں نہیں

فانی کوئی غم اور بھی ابھر رہا ہے کیا!
دل پر ہنوز بار محبت گراں نہیں

○

لطف و کرم کے پتلے ہو اب قہر و ستم کا نام نہیں
دل پہ خبر اتنی مار کہ پھر بھی چین نہیں آرام نہیں

جتنے منہ ہیں اتنی باتیں دل کا پتہ کیا خاک لگے
جس نے دل کی چوری کی ہے اک اسی کا نام نہیں

جلوہ و دل میں فرق نہیں جلوے ہی کو اب دل کہئے
یعنی عشق کی ہستی کا آغاز تو ہے انجام نہیں

رک کے جو سانسیں آہیں گئیں مانا کہ وہ آہیں تھیں لیکن
آپ نے تیور کیوں بدلے آہوں میں کسی کا نام نہیں!

عشق کے آزاری بھی کہیں مر جانے سے جی جلتے ہیں
لے یہ تسلی رہنے دے اب موت یہ تیرا نام نہیں!

کب سے پڑی ہیں دل میں تیرے ذکر کی ساری راہیں بند
برسیں گزریں اس بستی میں رسم سلام و پیام نہیں!

حد ہو گئی یہ بیتابی دل کی جلنے اب کیا ہونا ہے
صبر کی حد بھی ہونے آئی صبح نہیں یا شام نہیں

دل ہی پر اپنا بس نہیں چلتا ان کی شکایت کیا کیجیے
آپ ہم اپنے دشمن ٹھہرے دوست پہ کچھ الزام نہیں

دل سے کسی کی آنکھوں تک کچھ راز کی باتیں پہونچی ہیں!
آنکھ سے دل تک آیا ہوں ایسا تو کوئی پیغام نہیں

نزع میں فانی تو نے یہ کس کا چپکے چپکے نام لیا
کیوں او کافر تیری زبان پہ اب بھی خدا کا نام نہیں

دل وقف تپش ہے ہائے مگر وجہ تپش دل کوئی نہیں
بسمل ہوں مگر کیوں بسمل ہوں فریاد کہ قاتل کوئی نہیں

کس وہم میں ہے اے رہرو غم دھوکے میں نہ آنا منزل کے
یہ راہ بہت کچھ چھانی ہے اس راہ میں منزل کوئی نہیں

یہ واہمہ تھا یا مشکل تھی کیوں میں نے کہا کیا نادم ہوں
نہ پوچھتے ہیں کیا مشکل ہے کیا کہیے کہ مشکل کوئی نہیں

بس ان پہ نہ ان کی یاد پہ ہے تقدیر کے کیا کیا پہلو ہیں
تدبیر سے حاصل کچھ بھی نہیں تدبیر سے غافل کوئی نہیں

دریائے محبت کا ساحل اور ساحل بے دریا بھی ہے
جو موج ڈبو دے ساحل ہی یوں نام کا ساحل کوئی نہیں

گر شیشہ و ساغر بادہ و ساقی گل اور شمع ہے قطع نظر
محفل میں رونق کس کی ہے جب صاحب محفل کوئی نہیں

خود حسن کمال حسن ہے یعنی حسن جہاں کا کامل ہے
اور عشق مآل عشق ہے یعنی عشق میں کامل کوئی نہیں

ہر جلوۂ غیب شہود ہے پھر بھی غیب کے جلوے غیب ہیں
نظارہ نظر میں شامل ہے نظارے میں شامل کوئی نہیں

ہستی ہی نہیں جو باطل ہو پھر فرق مجاز و حقیقت کیا
یہ مجاز حقیقت بھی ہے حقیقت یعنی باطل کوئی نہیں

فانی ہے وہ اک دیوانہ تھا جو موت سے پہلے مر جائے
کیا ہوش کی کافر دنیا میں اس موت کے قابل کوئی نہیں

جو موہم یقین و ظن یقین اس منزل آب و گل میں نہیں
یہ عالم دل ہے یعنی وہ آنکھوں میں نہیں جو دل میں نہیں

غم خانۂ دل کا کیا کہنا وہ کچھ بھی سہی یہ بات کہاں
خلوت میں یہاں جو جلوت تھی وہ آج تری محفل میں نہیں

سنتے تھے محبت آساں ہے واللہ بہت آساں ہے مگر
اس سہل میں جو دشواری ہے وہ مشکل سی مشکل میں نہیں

گو راحت و رنج میں فرق نہیں یہ فرق مراتب کیا کم ہے
جو سعی حصولِ عیش میں ہے وہ عیشِ غم حاصل میں نہیں

دل خاک ہوا ہر چند مگر پستی کی طرف جو مائل ہو!
ایسا کوئی ذرہ اے دنیا اس خاکِ فلک منزل میں نہیں

جب ڈوبنے والے ڈوب چکے اور ساحل و دریا ایک ہوئے
پھر لطف امید و بیم کہاں دریا ہی نہیں ساحل ہی نہیں

جینے کی حدیں ملتی ہی کہیں آجائے اجل ہے آگے بڑھ
منزل کا نشاں ہے ہر منزل آرام کسی منزل میں نہیں

ہم بھی ہوں خیالِ یار بھی ہو اس فکرِ محال سے کیا حاصل
بس اب آئے فانی ہم ہی نہیں یا کوئی ہمارے دل میں نہیں

دنیا سے کچھ نہ پوچھو کیوں سر گرانیاں ہیں
یاروں سے ہمدموں سے کیوں بدگمانیاں ہیں

اس باغ میں ہیں سارے مرجھانے والے پودے
شادی و غم کے جھگڑے جھوٹی کہانیاں ہیں

ہے عمر چند روزہ پانی کا بلبلا ہے
عالم ہے خواب کا سا یوں نوجوانیاں ہیں

یاں ہم نے جس کو پایا اپنی غرض کا پایا
یہ داغ دوستوں کی دل پر نشانیاں ہیں

کرتے تھے فخر جن پر ہم مہرباں سمجھ کر
کیا کیا نہ ان سے ہم پہ نامہربانیاں ہیں
کیا کہیے شکایت ہے ذکر جائے غیرت
جیتے ہیں اور جب تک یہ سخت جانیاں ہیں

○

جس طرح ہم جیے ہوئے ہیں جانے کیا کہنے کو ہیں
شاید اب راز خاموشی برملا کہنے کو ہیں
شاکر حال دل ایماں لاتے ہی بنا
ہم سمجھتے تھے کہ کافر کبریا کہنے کو ہیں
موت کو ہم پیار سے کہتے ہیں اپنی زندگی
زندگی کو آفت صبر آزما کہنے کو ہیں
مل چکا روز قیامت خون ناحق کا عوض
وہ دعائے مغفرت کو خوں بہا کہنے کو ہیں
اسکی غارت گری ہائے تغافل کیا کریں
ہم کہ رہزن کو بھی خضر رہنما کہنے کو ہیں
کون تھا یارب نمک پاش جراحت ہائے دل
زخم دل خنداں کو ہم بامزا کہنے کو ہیں
اور پڑھ فانی اسی دھن میں کوئی تازہ غزل
نکتہ پردازان محفل مرحبا کہنے کو ہیں!

رندِ مے خوار سلامت بے ریا کہنے کو ہیں
جو فروشِ زہد کو گندم نما کہنے کو ہیں

حسرت اے شوقِ شہادت عبرتِ قتلِ کرم
نخلِ ماتم کو نہالِ مدعا کہنے کو ہیں

داستانِ دل نہیں ہے آپ سنیے تو ذرا
ہم جفائے آسماں کا ماجرا کہنے کو ہیں

اس سے کہیے جس نے اندازِ جفا دیکھا ہو
بندشِ دل اور وعدۂ روزِ جزا کہنے کو ہیں

ناگہاں دلفریبی اے امیدِ جاں بر ہی
چارہ گر اب دردِ دل کو لا دوا کہنے کو ہیں

پردہ داری چاہیے خوئے فلک کی ورنہ ہم
کشتیٔ غم کا خدا کو ناخدا کہنے کو ہیں

ہرزہ گوئی ختم کر اے فانیٔ آشفتہ سر
اور ابھی کچھ شاعرانہ خوش نوا کہنے کو ہیں

تیرے بغیر باغ میں پھول نہ کھل کے ہنس سکے
کوئی بہار کی سی بات اب کے بہار میں نہیں

عشرت بے خلل بھی ہے راحتِ لازوال بھی
اس کی خوشی ہے غم تو پھر کیا غمِ یار میں نہیں

جسم ہیں میری لاش میں زیست کے سارے انقلاب
کون سی وضعِ اضطراب میرے قرار میں نہیں

میرے لب پر کوئی دعا ہی نہیں
اس کرم کی کچھ انتہا ہی نہیں!

کشتیٔ اعتبار توڑ کے دیکھ
کہ خدا بھی ہے ناخدا ہی نہیں!

میری ہستی گواہ ہے کہ مجھے
تو کسی وقت بھولتا ہی نہیں

اب اسے نا امید کیوں کہیے
دل کو توفیق مدعا ہی نہیں

غم میں لذت کہاں کہ دل نہ رہا
ہائے وہ حسرت آشنا ہی نہیں

مسکرائے وہ حالِ دل سن کر
اور گویا جواب تھا ہی نہیں

وہی تم ہو وہی تری محفل
ایک فانی ملتا ہی نہیں !

ایک وہی مختار ہیں ہم تو کہنے کو مجبور نہیں
ان کی رضا کے بندوں میں آزادی کا دستور نہیں

کس نے سنایا حال ہمارا آج جو یہ ارشاد ہوا
درد محبت والوں کو سننے ہی منظور نہیں

غم کو ثبات بھی آخر کب تک اور حیات بھی آخر کب تک
ہم بھی نہ ہوں گے غم بھی نہ ہوگا وہ دن بھی کچھ دور نہیں

جن میں تمہارا نور رہا تھا ان میں اندھیرا رہتا ہے
جب سے گئے ہو آنکھوں میں آنسو تو بہت ہیں نور نہیں

یہ تو برے آثار ہیں فانی غم ہو خوشی ہو کچھ تو ہو
دل کا یہ کیا حال ہوا مغموم نہیں مسرور نہیں

اے بے خودی ٹھہر کہ بہت دن گزر گئے
مجھ کو خیالِ یار کہیں ڈھونڈتا نہ ہو

ساحل پہ جا لگے گی بدل ہی کشتیِ حیات
اپنا خدا تو ہے جو نہیں ناخدا نہ ہو

اچھا حجاب ہے کہ جب آتے ہیں خواب میں
پھر چھپ کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

دل ہی نہیں ہے جس میں نہ ہو درد عشق کا
وہ درد ہی نہیں ہے جو ہر دم سوا نہ ہو

گویا نہیں تغافل و تمکیں میں کچھ فرق
اتنی بھی آدمی کو امید کرم نہ ہو

غم بھی اگر مستقل ہے خوشی بھی اگر مستقل
کر غم کو اختیار کہ گزرے تو غم نہ ہو

منظور ہر نوشتہ تقدیر ہے مجھے
لیکن وہ جس میں حرفِ تمنا رقم نہ ہو

ہر لمحہ حیات ہے بیگانۂ حیات
فانی حیات ہی سے عبارت عدم نہ ہو

اگر پابندِ بیتابی نہیں تو ضبط ہی کیوں ہو
بلا سے حالِ دل کچھ بھی سہی ناگفتنی ہو

خدا رکھے محبت کو نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
اجل کہتے ہیں جس کو وہ ہماری زندگی کیوں ہو

ستم کا لطف بھی ہے اعتبار لطف کے دم تک
کرم بھی کیوں نہ ہو بیداد گر بیداد ہی کیوں ہو

ٹھکانا ہے سر تقدیر پر خون ناحق کا
تری تلوار میرے خون میں ڈوبی ہوئی کیوں ہو

نگاہ یاس کو روداد حسرت کہہ تو لینے دے
ترے دل کو لگے ظالم وہی دل کی لگی کیوں ہو

ہماری بے خودی منجملہ آداب الفت ہے
کسی کو دیکھ کر دل روشناس آگہی کیوں ہو

کسی کی یاد بھی لیتی ہے تاوان دل سے
مری میت پہ ناحق نوحہ گر اک ہچکی کیوں ہو

امید انعام خاص رکھو کرشمہ لطف عام دیکھو
نصیب تو خیر ہے جو کچھ ہے نصیب کا انتظام دیکھو

وہ ایک رنگینی نظر ہے سو جو بہاروں میں دیکھتا ہوں
میری محبت کی داستانوں میں اور اُس کی نظام دیکھو

جو ہے وہ کیا ہے سوال یہ ہے آشناؤں کا حال یہ ہے
جدھر نگاہیں ذرا اٹھاؤ ادھر تمہارا ہی نام دیکھو

نہ رنگ بیداد نہ قدرِ دل کیوں وفا نواز باب دل کی خو ہی
خفا سو نفقد یہ آرزو ہے ہٹاؤ بھی اپنا کام دیکھو
خدا سے اور پھر گھڑی گھڑی کی یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے فانی
دعائیں مانگے ہی جا رہے ہو نہ صبح دیکھو نہ شام دیکھو

ہو کے اس کوچہ سے اے بادِ صبا بچ کے نکلو
آئے جاؤ مجھے دیوانہ بنائے جاؤ
حشر تک بیکسی مرگ مجھے روئے گی
چار آنسو مری تربت پہ بہائے جاؤ
دلِ فانی کو بہت ہے ادنیٰ کا دعویٰ
کوئی بجلی رخِ روشن سے گرائے جاؤ

مآلِ سوزِ غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اٹھی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ
چلے بھی آؤ وہ ہے قبر فانی دیکھتے جاؤ
تم اپنے مرنے والے کی نشانی دیکھتے جاؤ
ابھی کیا ہے کسی دن خون رلائے گی یہ خاموشی
زبانِ حال کی جادو بیانی دیکھتے جاؤ
غرورِ حسن کا صدقہ کوئی جاتا ہے دنیا سے
کسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھتے جاؤ

ادھر منہ پھیر کر کیا ذبح کرتے ہو ادھر دیکھو
مری گردن پہ خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ

بہار زندگی کا لطف دیکھا اور دیکھو گے
کسی کا عیش مرگ ناگہانی دیکھتے جاؤ

سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

وہ اٹھا شور ماتم آخری دیدار میت کا
اب اٹھا چاہتی ہے نعش فانی دیکھتے جاؤ

اے زمین لکھنؤ اے آسمان لکھنؤ
تم سے رخصت ہو رہا ہے میہمان لکھنؤ

گر پھر آئے یا نہ آئے ملک و وطن تجھ میں کبھی
تھا اگر سچ مچ یہ تقدیر امتحان لکھنؤ

گرچہ اس ناخوشامدہ جہاں کی تھی خاطر عزیز
بے تکلف تھی یہ خاک آستان لکھنؤ

الوداع اے سبزہ و فوارہ و حوض و چمن
رخصت اے خوش بہار بے خزاں لکھنؤ

رخصت اے بام و در و کاخ و ایوان الوداع
الوداع اے لکھنؤ اے مہرباں لکھنؤ

داغ ہے دل پر تیری آرزو کی بے سبب
الوداع اے خاطر نامہربان لکھنؤ

جمع ہیں دونوں جہاں اپنے دل رنجور میں
اک جہاں آرزو ہے اک جہان لکھنؤ

شکوہ ان بے مہریوں کا گو نہیں اصلاً ہمیں
ہاں مگر اتنا ہے خاطر نشان لکھنؤ

بے مروت یوں تو سب ہیں چاہنے والے تیرے
کم ہیں فانی کی طرح شیدائیان لکھنؤ

اب آنکھ کھلتی ہے وہ جنبش ہوئی ہلکی سی مژگاں کو
وہ چھیڑا چاہتے ہیں نوکِ نشتر سے رگِ جاں کو

بہار آئی کہ یارب عید آئی اہلِ زنداں کو
گریباں نے گلے لپٹا لیا ہے بڑھ کے داماں کو

مرے تلووں سے کانٹوں پر نئی گل کاریاں ہوں گی
مری وحشت مبارک ہو جنونِ عشق ساماں کو

بیاباں کو یہاں لے آئے ہیں کچھ خاک کے ذرے
کبھی ذرے اڑا لے جائیں گے اک دن بیاباں کو

نہ آیا موسمِ گل جب دلِ دیوانہ جینا تھا!
جو اب آئے تو یارب آگ لگ جائے گلستاں کو

چھٹے جب خیمۂ رنگ سے تو آئے صبح ہستی کی
رہا ہوتے ہی ہم بدلے دیتے ہیں زنداں کو

خدا غارت کرے دل کو بڑی مشکل میں ڈالا ہے
نہ سمجھا عمر بھر ناداں فریبِ عشقِ آساں کو

نظر سے جب ملی ان کی نظر دل میں اتر آئی
ہم آنکھوں سے لگا کر دل بنا لیتے ہیں پیکاں کو

دلِ فانی سے گو نکلی مگر آساں نہیں نکلی
عجب سے شے تھی خدا بخشے امیدِ وصلِ جاناں کو

خدا اثر سے بچائے اس آشیانے کو
دعا چلی ہے مری قسمت آزمانے کو

بہار لائی ہے پیغام انقلاب بہار
سمجھ رہا ہوں میں کلیوں کے مسکرانے کو

نہ پوچھیے کہ محبت میں مجھ پہ کیا گزری
نہ چھیڑیے مرے بھولے فسانے کو

یہ شعبدے یہ کرشمے کسے میسر تھے
تری نگاہ نے سکھلا دیے زمانے کو

چمن میں برق نے جھانکا کہ ہم لرز اٹھے
اب اس سے آگ ہی لگ جائے آشیانے کو

خیال یار بھی کھویا ہوا سا رہتا ہے
اب ان کی یاد بھی آتی ہے بھول جانے کو

نگاہ لطف نہ فرما نگاہ ناز کے بعد
جگر میں آگ لگا کر نہ آ بجھانے کو

زمانہ بھر سے آزاد تھا مگر فانی
تڑپ کے ہم نے بھی تڑپا دیا زمانے کو

نوجوان مدعائے دل اور دل جگہ جگہ
ہے ایک شمع محفل رونق جگہ جگہ

حسرت جدا، امید جدا، آرزو جدا
دنیائے دل میں ہیں مرے بسمل جگہ جگہ

مٹ کر بھی داغ شاہد خون شہید ہے
دھویا ہوا ہے دامن قاتل جگہ جگہ

تو نے فراق دل ہمیں دیوانہ کر دیا
پھرتے ہیں پوچھتے خبر دل جگہ جگہ

غم اصل کائنات ہے دل جوہر حیات
دل غم ہے غم ہے دل سے مقابل جگہ جگہ

غربت میں سنگ راہ کچھ آساں نہ تھی
کھاتی ہے ٹھوکریں مری مشکل جگہ جگہ

کیا پوچھتا ہے وعدہ شکن کیا ہے دل کا حال
ابھرے ہیں نقش وعدہ باطل جگہ جگہ!

اک سرگذشت درد ہے ہر ذرہ خاک کا
پہونچی ہے داستان غم دل جگہ جگہ

اب یادگار فانی بسمل ہے اس قدر
گلگوں ہے خاک کوچہ قاتل جگہ جگہ

○

خود ہوش سے پہلے کہ ہر لغزش مستانہ — ترک مے و مینا کہ ہے جبر رندانہ
دل معنی صورت ہے اور صورت معنی بھی — فرزانے کا فرزانہ دیوانے کا دیوانہ
ہر کلمہ الحق ہیں اک کیفیت ناہمدوں — توبہ سے جو ٹکرادوں الٹا ہوا پیمانہ
ہے کوئی جو سمجھے ہو اب شمع کی تمکیں کا — کم ہو گئی شعلوں میں خودداری پروانہ
کچھ نذر کرو جنت کچھ نذر کرو کوثر — کیا یوں بھی نہیں جائز ذکر مے و میخانہ
ہر موج شکن سے اک طوفاں بپا اٹھا — جھاڑا مری وحشت نے جیب و دامن پروانہ
حیرت نے مجھے تیرا آئینہ بنایا ہے — اب تو مجھے دیکھا کر اے جلوہ جانانہ
جو مومن و کافر ہیں وہ دل نہیں رکھتے — دنیائے محبت کعبہ ہے نہ بتخانہ

فانی ہی نہیں فانی ہیں درس فنا بھی ہو
افسانہ عبرت ہوں اور عبرت افسانہ

○

دل فانی کی تباہی کو نہ پوچھ — الم لا انتہائی کو نہ پوچھ
حسن تدبیر نہ رسوا ہو جائے — راز تقدیر الٰہی کو نہ پوچھ
ظلمت افزائے ظہور خورشید — روز فرقت کی سیاہی کو نہ پوچھ

زندگی جادۂ بے منزل ہے — مسلک رہبر و راہی کو نہ پوچھ
غلط انداز نگاہوں کو سنبھال — مری گستاخ نگاہی کو نہ پوچھ
اثر برق تجلی کو سمجھ — آہ کی شعلہ پناہی کو نہ پوچھ
منع ہے لذت غم بھی نافی! — ہمہ گیری خواہی کو نہ پوچھ

دل کی طرف حجاب تکلف اٹھا کے دیکھ
آئینہ دیکھ اور ذرا مسکرا کے دیکھ

اس دور میں یہ طرز جفا آزما کے دیکھ
دل کی بجائے دل کے سکوں کو مٹا کے دیکھ

تسلیم کی نظر سے کرشمے رضا کے دیکھ
بیگانگی دوست کو دنیا بنا کے دیکھ

اس شورش حیات کو حد سے بڑھا کے دیکھ
اک فتنہ اور حشر سے پہلے اٹھا کے دیکھ

یوں دیکھنا ہے تیرگی آب و گل میں کیا
شعلوں سے کھیل دل کو جلا اور جلا کے دیکھ

ہر زندگی کا نام رکھ دل کی زندگی!
ایمان زندگی پہ نہ لا آزما کے دیکھ

تیری تجلیوں سے کسی طرح کم نہیں!
دل کی تجلیوں کو بھی دل میں آ کے دیکھ

اب کی ادائے خاص سے کر امتحان دل
تو برق طور پر نہ گری ہو گرا کے دیکھ

ہاں اہل دل کے حال سے غفلت محال ہے
اچھا یقیں نہیں ہے مجھ کو ہی بھلا کے دیکھ

دنیا کو دیکھنا تو بہتر نہیں مجھے!
ذرے کو دیکھنا ہے تو دنیا بنا کے دیکھ

فانی سفینہ اب بھی ڈوبے تو کیا کرے
طوفاں گو نہ دیکھ ستم ناخدا کو دیکھ

ی

عشق نے دل میں جگہ کی تو قضا بھی آئی
درد دنیا میں جب آیا تو دوا بھی آئی

دل کی ہستی سے کیا عشق نے آگاہ مجھے
دل جب آیا تو دھڑکنے کی صدا بھی آئی

صدقے اتر ہی گئے اسیران قفس چھوٹ گئے
بجلیاں لے کے نشیمن پہ گھٹا بھی آئی

ہاں نہ تھا باب اثر بند مگر کیا کہیے
آہ پہونچی تھی کہ دشمن کی دعا بھی آئی

آپ سوچا ہی کیے اس سے ملوں یا نہ ملوں
موت مشتاق کو مٹی میں ملا بھی آئی

تو مسیحا نے بھی اللہ نے بھی یاد کیا
آج بیمار کو ہچکی بھی قضا بھی آئی

دیکھ یہ جادہ ہستی ہے سنبھل کر فانی
پیچھے پیچھے وہ دبے پاؤں قضا بھی آئی

○

فانی کفِ قاتل میں شمشیر نظر آئی
لے خواب محبت کی تعبیر نظر آئی

پھر ابر میں وحشت کی تصویر نظر آئی
لہرائی ہوئی بجلی زنجیر نظر آئی

جب میں نے دعاؤں کا رخ سوئے فلک دیکھا
تدبیر کے پہلو میں تقدیر نظر آئی

ہر عیش کی محفل میں پروانے کا ماتم تھا
جو شمع نظر آئی دلگیر نظر آئی

کعبہ ہی کلیسا ہے ہم نے تو جہاں دیکھا
اے فخرِ وفا تیری تعمیر نظر آئی

جب خون ہوا دل کا وہ آنکھوں میں آ بیٹھے
آہوں کا حجاب اٹھا تاثیر نظر آئی

کایا غمِ دنیا کی وحشت نے پلٹ دی تھی
خاکِ رہِ ویرانہ اکسیر نظر آئی

دنیا کی بلاؤں کو جب جمع کیا میں نے
دھندلی سی مجھے دل کی تصویر نظر آئی

دل ان کو نہ آنے تک لبریز شکایت تھا
وہ آئے تو اپنی ہی تقصیر نظر آئی

فانی غمِ ہستی نے زندہ ہی مجھے سمجھا
جب تک مرے مرنے میں تاخیر نظر آئی

○

مشتاق نگاہوں کی اللہ رے رسوائی
میں محوِ تماشا ہوں دنیا ہے تماشائی

تیری ہی نگاہوں کے سب دیکھنے والے تھے
تقدیر مگر جیتی تدبیر نہ کام آئی

بیداد کے اس تیور اس حسن کے کس صدقے
ان کو مرے مرنے پہ آئی تو ہنسی آئی

لب ریز تموج تھا اک اک خطِ پیمانہ
محفل سے جو وہ اٹھے لیتے ہوئے انگڑائی

پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا
جب ذکرِ بہار آیا سمجھے کہ بہار آئی

ہر ستم کا یہ تقاضا ہے کہ ہو فریاد بھی
اب تو جینا ہی پڑے گا شاد بھی ناشاد بھی

گلشنِ تصویر میں تھے طائرِ تصویر ہم
کیا کہیں کیوں کر رہے مجبور بھی آزاد بھی

خیر ہے کیا چاہتی ہے اے نسیمِ کوئے یار
اب تو ظالم میری مٹی ہو چکی برباد بھی

○

گردش وہی یہاں بھی سپہرِ کہن میں تھی
غربت میں بھی وہی ہے جو قسمت وطن میں تھی

آزردہ کیوں ہوئے مری آشفتگی سے تم
آخر یہی تو زلفِ شکن در شکن میں تھی

اس کے سوا نہیں خبرِ آشیاں مجھے
میں تھا اسیرِ دام تو بجلی چمن میں تھی!

○

بے پردہ ذکر یار ہے در پردہ یادِ یار
میری زبان پہ ہے جو دلِ برہمن میں تھی

بعد فنا بھی کم نہ ہوئیں بے قراریاں
لاشہ نہ تھا مرا کوئی بجلی کفن میں تھی

وہ گل ہے گل جسے تری خلوت میں بار تھا
وہ شمع، شمع ہے جو تری انجمن میں تھی

کیوں سادگی میں طور کچھ اب بانکپن کے بھی
کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن میں تھی

بدلا ہوا تھا رنگ، گلوں کا ترے بغیر
کچھ خاک سی اڑی ہوئی سارے چمن میں تھی

اے یاس تو نے آ کے اسے بھی مٹا دیا
لذت سی کچھ جو شکوۂ رنج و محن میں تھی

لو آج مرگ فانی بے کس سے مٹ گئی!
وہ اک خلش جو خاطرِ اہلِ وطن میں تھی

اپنی جنت مجھے دکھلا نہ سکا تو واعظ
کوچۂ یار میں چل دیکھ لے جنت میری

ساری دنیا سے انوکھی ہے زمانے سے جدا
نعمت خاص ہے اللہ رے قسمت میری

شکوہ ہجر پہ سر کاٹ کے فرماتے ہیں
پھر کرو گے کبھی اس مونہہ سے شکایت میری

تیری قدرت کا نظارہ تھی مرا عجز گناہ
تیری رحمت کا اشارہ ہے ندامت میری

تو تبسم بھی شریک نگہ ناز ہوا
آج کچھ اور بڑھا دی گئی قسمت میری

نہیں اک لمحہ دیدار سلامت فانی
عمر بھر رونے سے بڑھتی ہوئی دولت میری

○

سزا تجویز کی تو نے جو مرگ ناگہاں میری
محبت بھی کوئی تقصیر تھی اے آسماں میری

یہ ان پہ مرنے والوں میں عدو منسوب ہوتے ہیں
دل و جاں دونوں انکے ہیں نہ دل میرا نہ جاں میری

نہایت بامزہ ہے عشق کے ماروں کا افسانہ
زبان حال کو ازبر ہے ساری داستاں میری

شہید ناز تجھ سا کشتۂ انداز کہلاؤں
کہ وہ تم ذبح مجھ کو کیا ایسی قسمت ہے کہاں میری

جفا پر صبر کرتا غم سے گھلتا جاں دیدیتا
وفا میں کیجیے گا رفتہ رفتہ امتحاں میری

دکھاؤ جلوۂ عارض اگر تم دیکھنا چاہو
نظر محوِ تماشا اور زباں گرمِ فغاں میری

شبِ غم کٹ گئی آفاق سے سحر ہوتی آتی ہے
قضا اللہ جانے رہ گئی اُٹھ کر کہاں میری

ڈرو نہ تم کہ سن لے کہیں خدا میری
کہ روشناس اجازت نہیں دعا میری

وہ تم کہ تم نے جفا کی تو کچھ برا نہ کیا
وہ میں کہ ذکر کے قابل نہیں وفا میری

چلے بھی آؤ کہ دنیا سے جا رہا ہے کوئی
سنو کہ پھر نہ سنو گے تم التجا میری

کچھ ایسی یاس سے حسرت نے دم توڑا
جگر کو تھام کے رہ رہ گئی قضا میری

خلاف نذر کی تاثیر بخش دی فانی
ترس گئی تھی اثر کو بہت دعا میری

رباعی فانی

مجبوریِ عصیاں کو ہے خلعت مختاری
اللہ رے کرم ہم اور توفیق گنہ گاری
فانی مرے مسلک میں ممنوع ہے ہوشیاری
احساس جفا کاری ہے بار خطا کاری

امید کے دم سے امید کے دم تک ہے
ارباب تمنا پر احسان دل آزاری

آسان ہوئی منزل آثار مبارک ہیں
اب پاؤں نہیں اٹھتے اب راہ ہوئی بھاری

وہ ایک اچٹتی سی قاتل کی نظر توبہ
دم توڑ دیا دل نے گو زخم نہ تھا کاری

تم سے مجھے امیدیں کیا عفو کے قابل ہیں
میں ہی تمہیں دیتا ہوں تکلیف ستم گاری

سرکار محبت سے قربان سکون آیا
گزری حد شورش سے جنبش شورش بیداری

فانی مری وحشت نے پھر شکل بدل ڈالی
پھر بخیہ دامن میں معروف ہے بیکاری

ہر گھڑی انقلاب میں گزری!
زندگی کس عذاب میں گزری

شوق تھا مانع تجلی دوست
ان کی شوخی حجاب میں گزری

راز ہستی کی جستجو میں رہے
خواب تعبیر خواب میں گزری

کرم بے حساب چاہا تھا
ستم بے حساب میں گزری

کچھ کٹی ہمت سوال میں عمر!
کچھ امید جواب میں گزری

کس خرابی سے زندگی فانی!
اس جہان خراب میں گزری

اک برق سر طور ہے لہراتی ہوئی سی
دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آتی ہوئی سی

محضر ہے یہی قتل شہیدان وفا کا
جلاد کی چتون ہے جو شرماتی ہوئی سی

سنتا ہوں جو آتی ہے صدا پردہ دل سے
امید کی آواز ہے تھراتی ہوئی سی

درپیش ہے پھر مسئلہ طاقت دیدار
پھر کچھ نگہ شوق ہے گھبراتی ہوئی سی

اک عالم دل ہے یہی دنیا یہی فردوس
ہر شے نظر آتی ہے نظر آتی ہوئی سی

میرے دل برباد کے دھندلے سے نشاں میں
اس باغ میں کلیاں ہیں جو مرجھائی ہوئی سی

ہر سانس ہے فانی مجھے گویا دم آخر
سمجھا ہوں محبت میں قضا آتی ہوئی سی

لحد میں چین سے رہنے نہ دیگی یاد اس غم کی
بچھا دو تم نہ بزم ناز میں صف میرے ماتم کی

جو آئے ہو تو ٹھہرو دم نکلتا دیکھتے جاؤ
مری جاں میہمانِ لب ہے اور وہ بھی کوئی دم کی

چمن میں آئے شب گزاری صبح چل نکلے
ملی تھی کیا ازل میں زندگانی ہم کو شبنم کی

بناؤں دل کو خوگر ہائے کیوں رنجِ بے حد کا
بھلا دوں دل سے کیونکر یاد تیرے لطفِ پیہم کی

الٰہی خیر ہوتا ہے مجھے تلوار کا دھوکا
وہ قاتل کی کمر ہے، دیکھنا بجلی سی کیا چمکی

دکھایا کل تماشا قابلِ نظارہ عبرت نے
طلوعِ صبح نے جب محفلِ پروانہ برہم کی

دلِ مرحوم فانی کی جواں مرگی کا ماتم ہے
چلی آتی ہیں اُمڈی آرزوئیں ایک عالم کی

○

چھانٹا ازل میں ایک شرر بنا کے اے جگر
کیا بات ہے تری نگہِ انتخاب کی

ہجر و وصال دونوں مرے حق میں قہر ہیں
یہ امتحاں کا رنگ وہ صورت عتاب کی

بس کھل گیا کہ جوشِ جنوں کا ہے سلسلہ
تفسیرِ زلفِ یار ہے تعبیر خواب کی

جس دل پہ کی نظر وہی پہلو میں پھر نہ تھا
شوخی تو دیکھیے نگہِ انتخاب کی

○

ہم اپنے جی سے گزرے بن سحر کی
شب غم بڑھ چلی تھی مختصر کی

نہیں کس دل سے اپنی جان کہیے
وفا اس نے نہ کی اور عمر بھر کی

انہیں بے چین کرنا چاہتا ہے
قضا آئی ہے کیا درد جگر کی

کشش کیسی کہاں کا جذبۂ دل
وہ آئے ہیں بن آئی ہے اثر کی

ہم اکثر جا کے در پر ان کے بیٹھے
ہمارے گھر سے نہ بہرائی نہ سر کی

مرا قتل ان کے ہاتھوں ہو تو باقی
کچھ ان کی منہ کی ہیں کچھ نامہ بر کی

تمہارے عشق کا اللہ سے فیض
جگر ہیں دھوم ہے درد جگر کی

لگا شوق سے دم تک تمہیں آنکھیں
اب آنکھیں یادگاریں ہیں نظر کی

اٹھا ہاتھ اے تصور ناتہ کو
یہ دل کی ہے وہ تہمت ہے جگر کی

سب فرقت کٹی یا عمر فانیؔ
اجل کے ساتھ آمد ہے سحر کی

دیا اک جان کے دشمن کو دل جان نذر دلبر کی
یہ ہے اپنی کہانی قصہ کوتاہ زندگی بھر کی

الٰہی کیا خبر لاتا ہے قاصد وصل دلبر کی
بلائیں لے رہی ہیں میری تدبیریں مقدر کی

قضا آئی طبیب آیا وہ آئے دیکھ کون آیا
کسی افسانے جنوں زنجیر کھڑکائی در کی

وہ شام وصل دشمن زلف سلجھاتے ہیں رک رک کر
انھیں یاد آ گئیں کیا گتھیاں میرے مقدر کی

اجل کی آرزو ہو دل میں فانی اور دنیا ہو
خدا رکھے یہی رونق ہے اس اجڑے ہوئے گھر کی

کم ہے یا بڑھ گئی وحشت ترے دیوانوں کی
دامنوں کی خیر ہے اب نہ گریبانوں کی

فصل گل خیر تو ہے دشت میں دیوانوں کی
دامنوں کی خبر آئی نہ گریبانوں کی

دل کے تیور تو مجھے یاس کے چھینٹوں سے نگر
نہ بجھی آگ لگائی ہوئی ارمانوں کی

حسن مجبور تغافل ہے ادب شرط وفا
رہ گئی شرم غم عشق کے افسانوں کی

چشم ساقی کی وہ مخمور نگاہی توبہ
آنکھ پڑتی ہے چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

طوق منت کے بڑھا ہو گئی منت پوری
بیڑیاں موت نے کاٹیں ترے دیوانوں کی

اب جفا ہے نہ ندامت نہ وفا ہے باقی
وہ تو کہیے سینہ فانی میں ہیں پیکانوں کی

مجھے قسم ہے ترے صبر آزمانے کو
کہ دل کو اب نہیں برداشت غم اٹھانے کی

ترا اسیر ہوں چاہے تو ذبح کر صیاد
نہ توڑ دل کو امانت ہے آشیانے کی

خیال یار ہے اک حسن و عشق کی دنیا
مری نگاہ میں ہیں گردشیں زمانے کی

زبان حال سے پھر داستان عشق چھیڑ
کہ خواب مرگ ہے تمہید اک فسانے کی

گلہ ضرور نہیں حال بے خودی معلوم
تمہاری یاد کو عادت ہے بھول جانے کی

نہ دل کے ظرف کو نہ طور کو دیکھو
بلا کی دھن ہے انہیں بجلیاں گرانے کی

نہ سانس کا ہے بھروسہ نہ آہ میں تاثیر
وہ کیا پھرے کہ ہوا پھر گئی زمانے کی

نہ بن پڑا کوئی عذر جفا تو کہنے لگے
ادا وہ یاد ہے مجھ کو کسی کے روٹھ جانے کی

جبین درد ہے بیتاب سجدہ اے فانی
کدھر ہے خاک ترے دل کے آستانے کی

ہوائیں آ گئیں کوئے بتاں کی
زمیں تک ہے رسائی آسماں کی

زباں کٹتی ہے ذکر آشیاں پر
تمنا بھی بہت تھی آشیاں کی

امید مہر ہے ایمان اپنا
قسم ہے اس دل نامہرباں کی

تو بیدم ربط ہے ہر جوہر تیغ
کہاں سے لاؤں طاقت امتحاں کی

یہ دل ہے یا نگاہ ناوک ستاں
نشانی ہے یہ زخم بے نشاں کی

مری تربت کے سناٹے میں اب تک
صدائیں گونجتی ہیں الاماں کی

حرم میں آ ہی نکلے ہیں تو فانی!
یہ کیا کہیے کہ نیت تھی کہاں کی

قسم نہ کھاؤ تغافل سے باز آنے کی
کہ دل میں اب نہیں طاقت ستائے جانے کی

ہماری سوت نے کچھ مختصر کیا ورنہ
کچھ انتہا ہی نہ تھی عشق کے فسانے کی

کبھی نہ برق کچھ اس طرح سے مہرباں ہوتی
تڑپ کے آگ بجھا دوں نہ آشیانے کی

تمہارا ہو نہ تو درماں بنا لیا ہم نے
اب اتنا سوچتے ہیں تدبیر دل دکھانے کی

زمانہ کفر محبت سے کھو چکا تھا مگر
تری نظر نے پلٹ دی ہوا زمانے کی

پلٹ پلٹ کے قفس ہی کی سمت جاتا ہوں
کسی نے راہ بتائی نہ آشیانے کی

نکلت غم تو بدل سے درد دل نے مجھے
یہ ایک راہ بھی غم سے چھوٹ جانے کی

وہ صبح عید کا منظر ترے تصور میں
وہ دل میں آ کے ادا تیرے مسکرانے کی

بتا رہا ہے ہر اک اشک انفعال فانی کا
یہ خاک ہے اسی کافر کے آستانے کی

دیر میں یا حرم میں گزرے گی
عمر تیرے ہی غم میں گزرے گی

کچھ امید کرم میں گزری عمر
کچھ امید کرم میں گزرے گی

زندگی یاد دوست ہے یعنی
زندگی ہے تو غم میں گزرے گی

اب کرم کا یہ حصل ہے کہ عمر
یاد عہد ستم میں گزرے گی

دل کو یاد نشاط وصل نہ چھیڑ
غم میں گزری ہے غم میں گزرے گی

حسرت دم بدم میں گزری عمر
عبرت دم بدم میں گزرے گی

حشر کہتے ہیں جس کو اے فانیؔ
وہ گھڑی شرحِ غم میں گزرے گی

○

بے ذوقِ نظر بزمِ تماشا نہ رہے گی
منہ پھیر لیا ہم نے تو دنیا نہ رہے گی

ایذا نہ رہیگی جو گوارا نہ رہے گی
چھیڑا ہے مجھے دنیا نے تو دنیا نہ رہے گی

دل لیکے یہ کیا قصد ہے کہ اب جاں بھی کیوں ہو
یہ بھی نہ رہے گی بہت اچھا نہ رہے گی

یہ دردِ محبت غمِ دنیا تو نہیں ہے
اب موت بھی جینے کا سہارا نہ رہے گی

ایسا بھی کوئی دن مری قسمت میں ہے فانیؔ
جس دن مجھے جینے کی تمنا نہ رہے گی!

○

اٹھ چلے ہم تو ان کی محفل تک
پھر ہماری خبر ہی جائے گی

اب یہی ایک زندگی ہے تو خیر
زندگی بھی گزر ہی جائے گی

آہ پھر آہ ہے رسا نہ سہی
کچھ تو دل میں اتر ہی جائے گی

○

جب دل میں ترے غم نے حسرت کی بنا ڈالی
دنیا مری راحت کی قسمت نے مٹا ڈالی
اب برق نشیمن کو ہر شاخ سے کیا مطلب
جس شاخ کہ تنکا کا تھا وہ شاخ جلا ڈالی

اظہار محبت کی حسرت کو خدا سمجھے
ہم نے یہ کہانی بھی سو بار سنا ڈالی

جینے بھی نہیں دیتے مرنے بھی نہیں دیتے
کیا تم نے محبت کی ہر رسم اٹھا ڈالی

جینے میں نہ اب فانی مرنے میں شمار اپنا
ماتم کی بساط اس نے کیا کہہ کے سنا ڈالی

ہر بلائے شام فرقت دیکھ لی
ہم نے دنیا میں قیامت دیکھ لی

پھر نہ اس دل کو ہوئی راحت نصیب
تو نے جس دل میں محبت دیکھ لی

ذوق نظارہ سلامت چاہیے
جس طرف دیکھا وہ صورت دیکھ لی

واہ رے رنگینیٔ بزم خیال
دل کے ہر گوشے میں جنت دیکھ لی

آپ نے انجام دیکھا عشق کا
آپ نے فانی کی تربت دیکھ لی

یہ ہستی وہ معمہ گویا کہ نہیں فانی
اللہ رے ترا اے دل انداز پریشانی

تعبیر اجل نے دی اس خواب پریشاں کی
ہم مر کے تجھے سمجھے اے ہستی انسانی

کیوں کر یہ کہوں تم نے آئینہ نہیں دیکھا
بے وجہ نہیں ہرگز آئینے کی حیرانی

سن میری خموشی سے افسانۂ غم میرا
ہر دیدہ لگا ہی ہے گریہ پیش پنہانی

کیا ہم شب وصل ان سے فرقت کا گلہ کرتے
تھی رات بہت تھوڑی اور بات تھی طولانی

ہاں میرے قدم سے ہے ویرانے کی آبادی
واں گھر میں خدا رکھے آباد ہے ویرانی

پھر خواب میں طوق آیا زنجیر نظر آئی
در پردہ ہے وحشت کی پھر سلسلہ جنبانی

مانا کہ غم جاناں غارت گر ساماں ہے
رکھا ہی یہاں کیا ہے جز بے سر و سامانی

مشکل مرے مرنے کی مشکل ہے کہ آساں ہو
کچھ ناز کی آسانی کچھ اپنی گراں جانی

فانی وہ بلاکش ہوں غم بھی مجھے راحت ہے
میں نے غم راحت کی صورت بھی نہ پہچانی

○

آپ کی آرزو کیسے ہی بنی!
دل کو آخر لہو کیے ہی بنی

فاش ہوتا نہ راز غم کب تک
دل سے کچھ گفتگو کیے ہی بنی

ہم کبھی جینے کی تاب لا نہ سکے
موت کی آرزو کیے ہی بنی

سجدۂ شکر درد واجب تھا
خون دل سے وضو کیے ہی بنی

حسن بیتاب خود نمائی تھا
دل ہمیں رو برو کیے ہی بنی

چاک دامن کے مشغلے کے لیے
چاک دامن رفو کیے ہی بنی

کھو گئے ہم کچھ اس طرح فانی
کہ انہیں جستجو کیے ہی بنی

○

مانا حجاب دید مری بے خودی ہوئی
کم وجہ بے خودی نہیں یہ ایک ہی آگہی

دل ہے وہ طاق غمکدۂ عمر دوش کا
رکھی ہے جس پہ شمع تمنا بجھی ہوئی

ہیں منزل فنا کا نشان شکستہ حال
نقش بر گرہ باد فنا ہوں مٹی ہوئی

تعبیرِ دل نے تجھ سے لیا انتقامِ عشق — تیری ہی بزم جلوہ گہِ عاشقی ہوئی

اچھی رہے گی خیر اب اس زندگی کی موت — یہ تو ہوا کہ موت مری زندگی ہوئی

مرحوم کس ادا کے تماشائیوں میں تھا — پھرتی ہے دل کی لاش تماشا بنی ہوئی

دنیائے دل میں یاس کی اللہ رے دار و گیر — جو آرزو کہ خلق ہوئی کشتنی ہوئی

کیجیے دعا کہ اف نہ کرے دردمندِ عشق — اول تو دل کی چوٹ پھر اتنی دکھی ہوئی

میرا وجود کفر مری زندگی گناہ — ہستی کو ہوش، ہوش کو لازم خودی ہوئی

یارب نوائے دل سے تو کان آشنا سے ہیں — آواز آ رہی ہے یہ کب کی سنی ہوئی

لازم ہے احتیاطِ عدم ہست نہیں ضرور — لے اب چھری تو پھینک لہو سے بھری ہوئی

فانی میں ہوں وہ نقطۂ موہوم اتصال!
جس میں عدم کی دونوں حدیں ہیں ملی ہوئی

شباب ہوش کی فی الجملہ یادگار ہوئی
جو عمر صرفِ تماشائے حسنِ یار ہوئی

حسابِ حسرتِ جرمِ نظارہ دل سے پوچھ
نظر تو ایک جھلک کی گناہ گار ہوئی

بساطِ عجز میں اک آہ تھی متاعِ حیات
سو وہ بھی صرفِ ستم ہائے روزگار ہوئی

بقدرِ ہستیِ دل ہے خمارِ غم بدنام
خزاں خراب بہ اندازۂ بہار ہوئی

نہیں کہ آہ میں تاثیر ہی نہیں لیکن
یہ دل فگار کبھی آسماں فگار ہوئی

کرم ہے راز امید کرم کی ہستی کا
امید تیرے کرم کی امیدوار ہوئی

بلا سے ہجر میں جینے کی انتہا تو ہے
وہ ایک بار ہوئی یا ہزار بار ہوئی

ازل میں خلق ہوئی تھی جو بجلیوں کی روح
تری نگاہ مری جان بے قرار ہوئی

مرے وجود کی حجت مرے عدم کی دلیل
وہ اک نظر تھی جو شاید جگر کے پار ہوئی

بہار نذر تغافل ہوئی خزاں ٹھہری
خزاں شہید تبسم ہوئی بہار ہوئی

امید مرگ پہ فانیؔ نثار کیا کہیے!
وہ زندگی کہ ہوئی بھی تو مستعار ہوئی

حاصل بے خبری لازمۂ ہوش ہوئی
یاد تیری عنواں نہ فراموش ہوئی

وہ گھڑی بھی شب بے صبح تجھے یاد ہے جب
میں بھی خاموش ہوا شمع بھی خاموش ہوئی

اللہ اللہ وہ رحمت ہے خطاکار دل پر
جو خطا ہونے سے پہلے ہی خطاپوش ہوئی

مجھ پہ الزام پرستاری صورت کیا خوب
خود تری یاد ہی صورت گر آغوش ہوئی

سامنے آئیں جو ہوں دعوئ تقویٰ والے
چشمِ ساقی کی ادا میکدہ بردوش ہوئی

دہر ہستی کا بھی احساس نہیں تیرے بغیر
زندگی بھر میں اک خواب فراموش ہوئی

خاکِ دل ہے عجب اضداد کی دنیا فانیؔ !
منزلِ عشق ہوئی جلوہ گہِ ہوش ہوئی

آہ کا اب تک تو بے اثر نہ ہوئی
کچھ تمہیں کو مری خبر نہ ہوئی

شام سے فکرِ صبح کیا شبِ ہجر
مر رہیں گے اگر سحر نہ ہوئی

کس سے دل کا سراغ پائیں گے ہم
تو ہی آئے آرزو اگر نہ ہوئی

خلق سمجھی مجھ ہی کو دیوانہ
چارہ فرماتے چارہ گر نہ ہوئی

کچھ نظر کہہ گئی زباں نہ کھلی
بات ان سے ہوئی مگر نہ ہوئی

شکوہ کیا ان سے خونِ ناحق کا
زندگی کتنی ہوئی بسر نہ ہوئی

حشر کا دن بھی ڈھل گیا فانیؔ
دل کی روداد مختصر نہ ہوئی

مضمحل سعئ چارہ گر نہ ہوئی
اور شفا قصہ مختصر نہ ہوئی

ترکِ تدبیر کو بھی دیکھ لیا
یہ بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی

یوں ملی ہر نگاہ سے وہ نگاہ
ایک کی ایک کو خبر نہ ہوئی

اللہ اللہ یہ حسن پرستش خلق
کہ مرے حال پر نظر نہ ہوئی

ہجر کے بھی ہزار پہلو تھے
یوں بھی اک وضع پر بسر نہ ہوئی

صبح ہوتی نہیں ہماری شام ورنہ کس شام کی سحر نہ ہوئی
آج تسکین درد دل فانی
وہ بھی چاہا کیے مگر نہ ہوئی

اس کشمکش ہستی میں کوئی راحت نہ ملی جو غم نہ ہوئی
تدبیر کا حاصل کیا کہیے تقدیر کی گردش کم نہ ہوئی
اللہ رے سکون قلب اس کا دل جس نے لاکھوں توڑ دیے
جس زلف نے دنیا برہم کی وہ آپ کبھی برہم نہ ہوئی
غم نام ہے ان کی تجلی کا جو عالم بن کر عام ہوا
دل نام ہے ان کی تجلی کا جو ساز ہی عالم نہ ہوئی
دل کی ویرانی بھی عجب ہے وہ بھی آخر کیا کرتے
جب دل میں ان کے رہتے بستے یہ ویرانی کم نہ ہوئی
انسان کی ساری ہستی کا مقصود ہے فانی ایک نظر
یعنی وہ نظر جو دل میں اتر کر زخم بنی مرہم نہ ہوئی

تاکید ہے کہ دیدۂ دل وا کرے کوئی
مطلب یہ ہے کہ دور سے دیکھا کرے کوئی
آنے ہی تیرے وعدۂ فردا کا اعتبار!
گھبرا کے مر نہ جائے تو پھر کیا کرے کوئی

وہ جلوہ بے حجاب سہی ضد کا کیا علاج
جب دل میں رہ کے آنکھ سے دیکھا کرے کوئی

کہتے ہیں حسن ہی کی امانت ہے درد عشق
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی

خالی ہے بزم ذوق طلب اہل ہوش سے
اتنا نہیں کہ تیری تمنا کرے کوئی

وہ درد دے کہ موت بھی جس کی دوا نہ ہو
اس دل کو موت دے جسے اچھا کرے کوئی

فانی دعائے مرگ کی تکرار کیا ضرور
غافل نہیں کہ ان سے تقاضا کرے کوئی

ہر چند کہ ہے لیکن ملتا ہے نشاں کوئی
پہلو میں تجھے ڈھونڈے آوارہ کہاں کوئی

کہتے تھے کچھ کہتے جب اس نے کہا کہیے
تو چپ ہیں کہ کیا کہیے کھلتی ہے زباں کوئی

برگشتہ مقدر کی تاثیر ارے توبہ!
دل ہی پہ پلٹ آئی کی آہ جہاں کوئی

بعد فانی نہ رہا معرفِ زنداں کوئی
دستِ وحشت میں ہے دامن نہ گریباں کوئی

یہ تو معلوم نہیں کیا ہے یہ دنیا لیکن!
حرفِ صد رنگ ہے صورت کدۂ عنواں کوئی

میری ویرانیِ دل ہے کہیں رسوا کہیں راز
کوئی ذرہ ہے یہاں اور نہ بیاباں کوئی

کون ہے میرے سوا فیضِ چمن سے محروم
گل بداماں ہے کوئی خار بداماں ہے کوئی

ہائے اس بزم میں وہ شوق و تحیر کا ہجوم
دلِ بیتاب کوئی دیدۂ حیراں کوئی

تو بھی کر دے غلطیِ محبت کو ہائے معاف
آگہ امید وفا پھر ہے پشیماں کوئی

برق نے میرے قفس کو بھی نشیمن سمجھا
آہ ایسا بھی نہ ہو سوختہ ساماں کوئی

نہ ملی خلق سے مظلومیِ دل کی کوئی داد
میری قسمت میں نہ تھا جورِ نمایاں کوئی

مجھ سے مطلب نہ سہی کاش میسر ہو تجھے
حسنِ تغییر بھی اے گردشِ دوراں کوئی

عمر سب نزع کے عالم میں ہی گزری فانیؔ
زندگی کا نہ ہوا موت پہ احساں کوئی

ظلم اور بھی اے فلک رہا ہے کوئی
پھر ظلم کی راہ تک رہا ہے کوئی

معلوم نہیں کیا ہے محبت لیکن
کانٹا دل میں کھٹک رہا ہے کوئی

اس وعدہ فراموش سے یہ کون کہے
کب سے تری راہ تک رہا ہے کوئی

کیا حوصلہ آزما ہے طوفان حیات
بڑھتا ہے کوئی جھجک رہا ہے کوئی

کتنی تری جستجو کی لذت ہے عزیز
رستہ پا کر بھٹک رہا ہے کوئی

ٹھہرا ہے یہ اب ذکر وفا کا مفہوم
کچھ جوش جنوں بک رہا ہے کوئی

میخانۂ عالم میں ہے ہلچل فانیؔ
پیمانہ مگر چھلک رہا ہے کوئی

مر کر مریض غم کی وہ حالت نہیں رہی
یعنی وہ اضطراب کی صورت نہیں رہی

ہر لمحہ حیات رہا وقف کار شوق
مرنے کی عمر بھر مجھے فرصت نہیں رہی

اک نالۂ خموش مسلسل ہے اور ہم
یادش بخیر ضبط کی طاقت نہیں رہی

یوں مٹ گئی وفا کہ زمانے کا ذکر کیا
اب دوست سے بھی کوئی شکایت نہیں رہی

وہ عہد دل فریبیٔ تاثیر اب کہاں
مدت سے آہ آہ کی حسرت نہیں رہی

اٹھا کے تو دل سے نقش کدورت بھی مٹ گیا
ہم شاد ہیں کہ دل میں کدورت نہیں رہی

دل اور ہو اے سلسلہ جنبانیٔ نشاط
کیوں پاس وضع غم تجھے عبرت نہیں رہی

اے دردِ عشق اب تو خدا کیلئے نہ چھیڑ
دل میں کراہنے کی بھی طاقت نہیں رہی

ہر بے گنہ سے وعدہ بخشش ہے روزِ حشر
گویا گناہ کی بھی ضرورت نہیں رہی

اے عرضِ شوق مژدہ دل کہ چاک ہو گیا
تکلیف پردہ داریٔ حسرت نہیں رہی

پتھرا گئی تھی آنکھ مگر بند تو نہ تھی
اب یہ بھی انتظار کی صورت نہیں رہی

عبرت نے بے کسی کا نشاں بھی مٹا دیا
اڑتی تھی جس پہ خاک وہ تربت نہیں رہی

محشر میں بھی وہ عہدِ وفا سے مکر گئے
جس کی خوشی تھی اب وہ قیامت نہیں رہی

کس منہ سے غم کے ضبط کا دعویٰ کرے کوئی
طاقت بقدرِ حسرتِ راحت نہیں رہی

فانی امیدِ مرگ نے بھی دے دیا جواب
جینے کی ہجر میں کوئی صورت نہیں رہی

وہ نظر کامیاب ہو کے رہی
دل کی بستی خراب ہو کے رہی

عشق کا نام کیوں کریں بدنام
زندگی تھی عذاب ہو کے رہی

نگہِ شوق کا مآل نہ پوچھ
سر بسر اضطراب ہو کے رہی

تم نے دیکھا کہ مرگِ مظلومی
جانِ صد انقلاب ہو کے رہی

چشمِ ساقی کہ تھی کبھی مخمور
خود وہی آخر شراب ہو کے رہی

تابِ نظارہ لا سکا نہ کوئی
بے حجابی حجاب ہو کے رہی

حشر کے دن کسی کی ہر بیداد
کرم بے حساب ہو کے رہی

سامنے دل کا آئینہ رکھ کر
ہر ادا لاجواب ہو کے رہی

ہم سے فانی نہ چھپ سکا غمِ دوست
آرزو بے نقاب ہو کے رہی

تھم تھم کے آ رہی ہیں دمِ نزع ہچکیاں
رہ رہ کے ٹوٹتی ہیں امیدیں رہی سہی

دشوار تو نہیں غمِ ہستی کا خاتمہ
ان کی خوشی نہیں ہے تو ان کی خوشی سہی

لے امتیازِ جور ہی ہم نے اٹھا دیا
تو بے وفا نہیں ہے تو اچھا یہی سہی

دل کی لگی نہیں تو خیر اب کوئی دل لگی سہی
فتنۂ شامِ غم کے بعد فتنۂ حشر ہی سہی

سازِ خیالِ یار سے چھیڑ چلی ہے کیوں نہ گائیے
نغمۂ آرزو سنا نوحۂ یاس ہی سہی

شیوۂ عاشقی نہیں ہجر میں آرزوئے مرگ
ہاں زندگی نہیں عزیز موت زندگی سہی

عرصۂ حشر دور ہے خاک دل تڑپ سہی
مشقِ خرامِ ناز کر ڈال نہ سہی یہی سہی

سر نہیں سنگِ در تو ہے ترک کر نمازِ عشق
خاک جبیں سے کام لے سجدۂ بے جبیں سہی

ہے ترے تیرِ ناز کے رخ پہ نشانۂ جگر
دل ہو جگر ہو کوئی ہو تیرِ نظر کہیں سہی

اے دمِ واپسیں ٹھہر دردِ فراق المدد
ایک ہی آج اشکِ غم حاصلِ آستیں سہی

میں ہوں رہیں انتظار آپ ہی یا نہ آئیے
اپنے یقیں کو کیا کروں آپ کی ہاں نہیں سہی

سن تو لیا ہے حالِ دلِ بیکسی سکے کیا کہیں   پھر میرے منہ کی بات ہے کیسی ہی دلنشیں سہی

فانی نزار پر کرم تیری رضا کے ہے سپرد
ایک نگاہ اور اگر یہ بھی نہیں، نہیں سہی

○

مانا کہ بات وعدۂ فردا پہ ٹل گئی   اور بے وفا جو کل بھی نہ یہ آج کل گئی
اس خانہ خراب کی بربادیاں نہ پوچھ   یادش بخیر آہ بھی دل سے نکل گئی
ہم کیوں گئے تھے آئینہ خانہ میں بے حجاب   اچھا ہوا کہ شرم و شرارت میں چل گئی
کچھ کہہ کے چارہ ساز نے تسکین دی تو ہے   سنتا ہوں کہ اب مری حالت سنبھل گئی
آتی ہے خاک جادۂ ہستی سے بوئے گل   کس آرزو بھرے کی تمنا نکل گئی
دل کیوں شبِ فراق تڑپ کر ٹھہر گیا   کیوں اضطراب کیا تری صورت بدل گئی
ان گردشوں کو روک کہ دل خون ہو گیا   اے آسماں تجھ پہ مری حسرت مچل گئی
تعمیر آشیاں کی ہوس کا ہے نام برق   جب ہم نے کوئی شاخ چنی شاخ جل گئی
اللہ رے نوک نشترِ غم کی لگاوٹیں   اک اک لہو کی بوند پہ ظالم مچل گئی

فانی کے دل سے آیا لاتقنطوا کے بعد
نا امید وہ دل غرۂ حسنِ عمل گئی !

○

موت بھی فرقت میں ٹل کر رہ گئی   آخری صورت نکل کر رہ گئی
اہلِ دنیا حشر جس کو کہہ اٹھے   وہ نظر کیا چال چل کر رہ گئی
جل رہے ہیں آج تک دل کے چراغ   طور پر اک شمع جل کر رہ گئی

زندگی کی دوسری کروٹ تھی موت — زندگی کروٹ بدل کر رہ گئی
لب رہے نا آشنائے درد دل — آہ بھی دل سے نکل کر رہ گئی
چھن لیا تیری محبت نے مجھے — اور دنیا ہاتھ مل کر رہ گئی
اب کہاں فانی وہ جوش اضطراب
کیا طبیعت تھی سنبھل کر رہ گئی

مہر کی جو نگاہ تھی خنجر بے پناہ تھی — درد جگر کی ہر دوا درد مآل ہو گئی
موت فراق یار ہیں در پئے انقلاب ہے — نیند جو کل حرام تھی آج حلال ہو گئی
فرصت یک نظر کے بعد حوصلہ دعائے وصل — کیوں دل قدر ناشناس اب یہ مجال ہو گئی
مہری و وفا جفا فروش گریہ تبسم آفریں — عشق کی ساری کائنات حرف جمال ہو گئی
حسن کی وہ لطافتیں عشق کی وہ نزاکتیں
ہائے وہ زندگی خواب و خیال ہو گئی

اجل جو آئے تو اپنا بھی کام ہو جائے — تمام عمر کا قصہ تمام ہو جائے
نگاہ ناز کا صدقہ نیاز مند ہیں ہم — کبھی قبول ہمارا سلام ہو جائے
نہیں ضرور کہ مر جائیں جانثار ترے — یہی ہے موت کہ جینا حرام ہو جائے
ترے خلاف نہیں ہوتی ہے ہر سحر کی شام
الٰہی اپنی سحر کی بھی شام ہو جائے

○

رہ جائے یا بلا سے یہ جان رہ نہ جائے
تیرا تو اے ستمگر ارمان رہ نہ جائے

جو دل کی حسرتیں ہیں سب دل ہی میں تو بہتر
اس گھر سے کوئی باہر مہمان رہ نہ جائے

اے سوزِ غم جلا دے اتنے دردِ خوں رلا دے
کچھ ان دل لگی کا سامان رہ نہ جائے

سب منزلیں ہوئیں طے محشر ہے اور اے دل
یہ ایک رہ گیا ہے میدان رہ نہ جائے

وہ جام کفر پرور بھر دے کہ مست کر دے
مستوں کے دل میں ساقی ایمان رہ نہ جائے

آ کر پلٹ نہ خالی اے مرگ جان لے جا
فانی کے سر پہ تیرا احسان رہ نہ جائے

○

کیوں نہ نیرنگِ جنوں پر کوئی قرباں ہو جائے
گھر وہ صحرا کہ بہار آئے تو زنداں ہو جائے

برق دم لینے کو ٹھہرے تو رگِ جاں ہو جائے
فتنۂ حشر مجسم ہو تو انساں ہو جائے

جوہر آئینۂ دل ہے وہ تصویر ہے تو
دل وہ آئینہ کہ تو دیکھ کے حیراں ہو جائے

غم وہ راحت جسے قسمت کے دھنی پاتے ہیں
دم وہ مشکل ہے کہ موت آئے تو آساں ہو جائے

عشق وہ کفر کہ ایماں ہے دل والوں کا
عقل مجبور وہ کافر کہ مسلماں ہو جائے

ذرہ وہ رازِ بیاباں ہے جو افشا نہ ہوا
دشت وحشت ہے وہ ذرا جو بیاباں ہو جائے

غم محسوس ہے وہ باطل جسے کہتے ہیں مجاز
دل کی ہستی وہ حقیقت ہے جو عریاں ہو جائے

خلد صنم خانے کو کہتے ہیں بہ قول واعظ
کعبہ بتخانے کو کہتے ہیں جو ویراں ہو جائے

سجدہ کہتے ہیں درِ یار پہ مر جانے کو
قبلہ وہ سر ہے جو خاکِ درِ جاناں ہو جائے

موت اس دن بھی دکھائے مجھے جس دن فانی
زندگی اپنی جفاؤں پہ پشیماں ہو جائے

جس سمت نگاہ یک نظر ہو جائے | تو آئے نظر جدھر نظر جائے
اچھا ہے جو نالہ بے اثر ہو جائے | کیوں میری بلا کسی کے سر جائے

ہاں ناخنِ غم کمی نہ کرنا
ڈرتا ہوں زخمِ دل نہ بھر جائے

جیتے بھی ہیں تم پہ مرنے والے
غم زہر نہیں جو کام کر جائے

کہہ تو دے جفا نہ یک بیک ترک
کیا جانیے مجھ پہ کیا گزر جائے

اٹھ جائے جدھر نگاہ ساقی
نشتر رگِ ہوش میں اتر جائے

ناکامی تو اور سکوں کی امید
دل اور نہ سہے جیتے جی ٹھہر جائے

ہوش رہے نہ دوش کا فکر مآل رہ جائے
خلوتِ یادِ یار میں کوئی خیال رہ نہ جائے

عشق ہے جنوں تو پھر شاد ہو اے دلِ حزیں
کوئی گلہ اٹھا نہ رکھ کوئی سوال رہ نہ جائے

وہ فریب ہے تو اور تند ہو ہوائے شوق
ہاں رہِ انتظار میں گردِ ملال رہ نہ جائے

تابِ نظارہ جلال حشر میں بخش کر مجھے
شانِ جمال بھی دکھا شانِ جمال رہ نہ جائے

عجز ادھر ادھر غرور دونوں غیور سے غیور
دامنِ مدعا سے دور دستِ سوال رہ نہ جائے

اب جو ہوا ہوا ملل چھوڑ خدا پہ اندمال
زخمِ جگر پہ خاک ڈال نیر سنبھال رہ نہ جائے

جبر قبول عام کو کار فغاں تمام کر
غیرت غم کو رام کر اف کی مجال رہ نہ جائے

نزع میں نارسا آہ سے اب نہ حیا کو راہ دے
عہد کرم نباہ دے پرسش حال رہ نہ جائے

فانی زار جاں بری عشق میں مصلحت نہیں!
جان وداع دل کے بعد ہو کے وبال رہ نہ جائے

○

اے کاش شہادت کے ارمان نکل جاتے
قاتل کی نگاہوں کے تیور ہی بدل جاتے

آتے وہ تو فرقت کے دکھ کیا ہیں اجل کیسی
آتی ہوئی ٹل جاتی ہے آتے ہوئے ٹل جاتے

سر اب مجھے بھاری ہے صدقہ ترے خنجر کا
یہ بار اتر جاتا جو وار ترے چل جاتے

○

راز تجھے میرے زخم ہائے جگر
تو ذرا تم نے سی دیے ہوتے

ضبط کا حوصلہ نکل جاتے
کچھ اور ستم بھی کیے ہوتے

زندگی بے دلوں پہ تہمت تھی
مر نہ جاتے اگر جیے ہوتے

کچھ سمجھ کر قفس میں اے صیاد
چار تنکے ہی رکھ دیے ہوتے

گل دیے تھے تو کاش فصل بہار
تم نے کانٹے بھی چن لیے ہوتے

بکتے پھر ان کے دیئے ہوتے فانیؔ
اور صدمے اٹھائیے ہوتے

○

نہ خنجر بھی جو بسمل نہیں ہونے پاتے
مر کے شرمندۂ قاتل نہیں ہونے پاتے

حرم و دیر کی گلیوں میں پڑے پھرتے ہیں
بزمِ رنداں میں جو شامل نہیں ہونے پاتے

موج نے ڈوبنے والوں کو بہت کچھ پلٹا
رخ مگر جانبِ ساحل نہیں ہونے پاتے

دل تو سب کو تری سرکار سے مل جاتے ہیں
درد جب تک ملے دل نہیں ہونے پاتے

تو کہاں ہے کہ تری راہ میں یہ کعبہ و دیر
نقش بن جاتے ہیں منزل نہیں ہونے پاتے

کوئی ہچکی سی کلیجے میں ہے جاتا ہے
ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے

خود تجلی کو نہیں اذنِ حضوری فانیؔ
آئینے ان کے مقابل نہیں ہونے پاتے

بیداد کے خوگر تھے فریاد تو کیا کرتے
کرتے تو کچھ اپنا ہی، ہم تم سے گلہ کرتے

تقدیرِ محبت تھی مر مر کے جیے جانا
جینا ہی مقدر تھا ہم مر کے بھی کیا کرتے

مہلت نہ ملی غم سے اتنی بھی کہ حال اپنا
ہم آپ کہا کرتے اور آپ سنا کرتے

جان اس پہ فدا کر کے نادم ہیں کہ جینا تھا
تدبیر تو اچھی تھی تقدیر کو کیا کرتے

احباب سے کیا کہیے اتنا نہ ہوا فانیؔ
جب ذکر مرا آتا مرنے کی دعا کرتے

○

قصۂ زیست مختصر کرتے
کچھ تو اپنی سی چارہ گر کرتے

موت کی نیند سو گئے بیمار
روز کس شام کو سحر کرتے

سچ ہے ہر نالہ کیوں رسا ہوتا
مرے نالے تجھے کیوں اثر کرتے

خود وفا کیا وفا کا بدلہ کیا
لطف احسان تھا اگر کرتے

کر لیا تیرے نام پر سجدہ
اب کہاں قصد سنگِ در کرتے

آس ہوتی تو اس سہارے پر
صبر ممکن نہ تھا مگر کرتے

کاش آئینہ ہاتھ سے رکھ کر
تم مرے حال پر نظر کرتے

طولِ رودادِ غم معاذ اللہ
عمر گزری ہے مختصر کرتے

غم نے مہلت نہ دی کہ ہم فانی
اور کچھ دن ابھی بسر کرتے

ہم موت بھی آئے تو مسرور نہیں ہوتے
مجبورِ غم اتنے بھی مجبور نہیں ہوتے

دل ہی میں نہیں رہتے آنکھوں میں بھی رہتے ہو
تم دور بھی رہتے ہو تو دور نہیں ہوتے

پڑتی ہیں ابھی دل پر شرمائی نظریں
جو وار وہ کرتے ہیں بھرپور نہیں ہوتے

امید کے وعدوں سے دل کچھ تو بہلتا تھا
اب یہ بھی ترے غم کو منظور نہیں ہوتے

اربابِ محبت پر تم ظلم کے بانی ہو
یوں ورنہ محبت کے دستور نہیں ہوتے

کونین پہ بھاری ہے اللہ رے غرور ان کا
اتنے بھی ادا والے مغرور نہیں ہوتے

ہے عشق ترا فانی تشہیر بھی شہرت بھی
رسوائے محبت یوں مشہور نہیں ہوتے

کچھ بس ہی نہ تھا ورنہ یہ الزام نہ لیتے
ہم تجھ سے چھپا کر بھی ترا نام نہ لیتے

نظریں نہ بچانا تھیں نظر مجھ سے بچا کر
پیغام نہ دینا تھا تو پیغام نہ لیتے

کیا عمر میں اک آہ بھی بخشی نہیں جاتی
اک سانس بھی کیا آپ کے نام کا نہ لیتے

اب نے ہیں نہ وہ کیف نہ اب جام ہی وہ بات
اے کاش ترے ہاتھ سے ہم جام نہ لیتے

قابو ہی غمِ عشق پہ چلتا نہیں ورنہ
احسانِ غمِ گردشِ ایام نہ لیتے

ہم ہیں وہ بلا دوست کہ گلشن کا تو کیا ذکر
جنت بھی بجائے قفس و دام نہ لیتے

خاموش بھی رہتے تو شکایت ہی ٹھہرتی
دل دے کے کہاں تک کوئی الزام نہ لیتے

اللہ رے تیرے دل کی نزاکت کا تقاضا
تاثیرِ محبت سے بھی ہم کام نہ لیتے

تیری ہی رضا اور تھی ورنہ ترے بسمل
تلوار کے سائے میں بھی آرام نہ لیتے

اک جبر ہے یہ زندگیِ عشق کہ فانیؔ
ہم مفت میں بھی یہ عیشِ غمِ انجام نہ لیتے

نظر کے سامنے دل میں سما کے آئے تھے
وہ آپ اپنے تصور میں آ کے آئے تھے

گدازِ عشق سے پہلے عطا ہوا تھا مجھے
وہ شمع بزم محبت جلا کے آئے تھے

تجلیں ان ہی کی نگاہوں سے ہم نے دیکھ لیا
مری نگاہ کا پردہ اٹھا کے آئے تھے

تمام عالم ہستی بنا گئے دل کو!
تمام عالم ہستی پہ چھا کے آئے تھے

محال دید ہی فانی نہ تھی وہ آئے تو کیا
کسی پہ برق تجلی گرا کے آئے تھے

○

ہم سے ایسے بے اثر ہی ظلم پہ کیوں گھبرا اٹھے
آسماں ٹوٹ پڑے ہے دست دعا گھبرا اٹھے

بزم جاناں میں نہیں قابل شرکت اغیار
کہ یہ دیوانہ ہے کیا جانیے کیا کر اٹھے

ہے تجلی مد نظر آج تماشا دل کا
درد سے کوئی یہ کہہ دے کہ سنبھل کر اٹھے

مدعا ہے بیخودی دل مداوائے درد جگر
ہاتھ سینے سے نہ زانو سے مرا سر اٹھے

موت کہتی ہے کہ للہ اٹھاؤ خنجر
ناز کی کہتی ہے نہ زنہار نہ خنجر اٹھے
جس جگہ بیٹھ گیا بیٹھ گیا فانیؔ زار
اب تو شاید ترے کوچے سے مر کر اٹھے

اسیر غم وہ بے حجاب کر کے مجھے
کدھر گیا ہمہ اضطراب کر کے مجھے
شب فراق اجل سر پہ رکھ گئی احسان
امیدوار عنایات خواب کر کے مجھے
تری جفا سے ہے بڑھ کر مری فنا کا ستم
دگر نہ تو ہی بتا دے حساب کر کے مجھے

نہیں کہ وحشت دل چارہ گر نہیں ہے مجھے
جنون چارہ وحشت نہیں ہے مجھے
خراب لذت جاں کا ہی محبت ہوں
مآل عشق سے قطع نظر نہیں ہے مجھے
نہیں ہر مرحلہ دشوار بے سبب یعنی
یقین مژدہ پیغامبر نہیں ہے مجھے
جنون سہی اثر بے خودی غم نہ سہی
نہیں خبر ہے کہ اپنی خبر نہیں ہے مجھے
تا بار منت ناخن نہ خطرۂ سوزن
مجال بخیہ زخم جگر نہیں ہے مجھے

یہ کیا ہے پھر کہ مجھے اک جہاں نظر آیا
خمارۂ بادۂ وحدت اگر نہیں ہے مجھے

یہ جستجو ہے کہ ہے عالمِ مجازنہ کہاں!
تلاشِ چشمِ حقیقت نگر نہیں ہے مجھے

ہلاکِ تلخیٔ تاثیرِ شکوہ ہوں نالاںؔ
شکایتِ گلۂ بے اثر نہیں ہے مجھے

○

عہدِ خرد میں عشق کی رسوائیاں نہ پوچھ
آنے لگی ہے ذکرِ وفا سے حیا مجھے

کیوں شوخیٔ کرم یہ ازل میں بجائے دل
بخشا گیا ستم کدۂ مدعا مجھے

ہوں وہ فریب خوردۂ رہبر کہ لاکھ بار
پلٹا کے لے چلا ہے سرِ نقشِ پا مجھے

آئینہ تھا نقش یہ دیدار ہو گیا!
تم دیکھتے مجھے تو کوئی دیکھتا مجھے

پا لیا ذوقِ طلب نے ماورائے دل مجھے
جب تجھے منزل نے کھویا مل گئی منزل مجھے

یادِ عہدِ بیخودی جب تو ہی تو تھا میں نہ تھا
وہ بھی دن تھے جب کوئی مشکل نہ تھی مشکل مجھے

فطرتِ غم رفتہ رفتہ میری فطرت بن گئی
اضطرابِ دل ہے فانی اضطرابِ دل مجھے

○

گل خزاں کے راز کا محرم نظر آیا مجھے
ہر تبسم پردہ دارِ غم نظر آیا مجھے
کس کو کہیے ماسوا جب تو نہیں تو کچھ نہیں
تو نظر آیا تو اک عالم نظر آیا مجھے
حد پہ جب پہنچی نظر حد نظر آگے بڑھی
جو نظر آیا زیادہ کم نظر آیا مجھے
نوحہ تدبیر تھا تقدیر کا اک حرف حرف
خطِ پیشانی صفِ ماتم نظر آیا مجھے
جو تجھے سمجھا اسے دنیا سمجھ سکتی نہیں
برا نہ تھا جو راز کا محرم نظر آیا مجھے
زخم کے مرہم بھی دیکھے مرہم بے زخم بھی
زخمِ دل ہی زخمِ بے مرہم نظر آیا مجھے
ہم نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ دوست کچھ برہم نظر آیا مجھے

○

غم مجسم نظر آیا تو ہم انساں سمجھے
برق جسم سے وابستہ ہوئی جاں سمجھے

شوق کی گرمی ہنگامہ کو وحشت جانا
جمع جب خاطر وحشت ہوئی ارماں سمجھے

حکم وحشت ہے کہ زنداں کو بھی صحرا جانو
دل وہ آزاد کہ صحرا کو بھی زنداں سمجھے

فانیؔ اس عالم ظاہر میں سراپا غم تھا
چھپ گیا خاک میں تو ہم غم پنہاں سمجھے

جس قدر چاہے جلووں کی فراوانی دے
ہاں فقط دل سے تو مجھے فرصت حیرانی دے

نہ جہاں دل غم دل رنگ شکستہ ہے نہ آہ
کون اس عہد میں اب داد زباں دانی دے

وحشت تازہ کا فیروز مبارک اے عشق
پھر بہار آئی مجھے خلعت عریانی دے

پھر مجھے زحمت درباں نہ مجھے شکوہ غیر
میری قسمت کو جو تو خدمت دربانی دے

خلش درد سے کم مایۂ غم ہیں نہ ہم
جنبش غم رباں کو خدا عزت ارزانی دے

ہے ہوس ہوش تو اس ہوش نے بھی یاد آیا
کاش مجھ سے تری شورش نادانی دے

اپنے دیوانے پہ اتمام کرم کر یا رب
در و دیوار دیئے اب انہیں ویرانی دے

سن کے افسانۂ دل متبسم ہو جا
گریۂ شوق تو پھر دعوتِ طغیانی دے
رہ نہ جائے کہیں دشواریِ فانی باقی
اس مشکل کو بھی اب رخصتِ آسانی دے

○

ادھر نہ دیکھ مجھے بیقرار رہنے دے
مری نظر میں سرا اعتبار رہنے دے
بقیدِ حشر بھی عہدِ وفائے عہد نہ کر
خراب شوق کو امیدوار رہنے دے
نویدِ زندگیِ دل کی تاب سہل نہیں
ابھی کچھ اور مجھے سوگوار رہنے دے
یقین لطف ہیں گم کر نہ لذتِ امید
جو ہو سکے تو غمِ انتظار رہنے دے

○

دل معرفتِ شوق سے بیگانہ بنا دے
دیوانہ ہشیار کو دیوانہ بنا دے
ہر جلوۂ محسوس کو مستور نظر کر
اس بزم میں ہر شمع کو پروانہ بنا دے
پھر اک نگہ مست کہ بے کیف ہے عالم
میخانہ بہ یک گردشِ پیمانہ بنا دے
آ اور دلِ برباد میں اک حشر بپا کر
جا اور دلِ آباد کو ویرانہ بنا دے
حیرت کدۂ ناز میں دل بھی ہے نظر بھی
اب دوست جسے آپ سے بیگانہ بنا دے
یک رنگیِ دل لازمِ صد رنگ جنوں کر
کعبے کی بنا ڈال کے بتخانہ بنا دے
قربان تری شانِ حکیمانہ پہ ہر بات
اب بات بانداز کریمانہ بنا دے
اک بوند لہو کی ہے تو یہ حال ہے دل کا
وہ موجِ تبسم کہیں دریا نہ بنا دے
افسانۂ دل یوں کوئی سنتا نہیں فانی
اب موت کسی دن مجھے افسانہ بنا دے

○

مجبوری مشکور کی تصویر دکھا دے
اے دست کرم پردۂ تدبیر اٹھا دے

حد کفر غم ہوش کی ایماں سے ملا دے
اس ہستی موہوم کو توفیق بنا دے

آداب طلب سیکھ طلب بے ادبی ہے
مجرم ہے وہ سائل جو درِ دل پہ صدا دے

جو سوز محبت سے ہو افسردہ فغاں ہیں
وہ شمع ہوں جس کو پروانہ بجھا دے

نسبت کرم دوست سے آسان نہیں فانی
ناکام تو ہے ذوق تمنا کو دعا دے

○

یاد آجاتے ہیں جب وہ اگلی صحبت کے مزے
لوٹتا ہے دل مرا دوزخ میں جنت کے مزے

صبح ہوتے ہی بھلا دے کوئی یارب کس طرح
رات بھر باہم وہ شکووں کے شکایت کے مزے

جب کیا اظہار غم ظالم نے جھنجھلا کر کہا
آگے آگے دیکھنا تم میری چاہت کے مزے

اے اجل گھبرائے گا تنہائی تربت سے دل
یہ ابھی بھولا نہیں ہے جوش وحشت کے مزے

ایک غم سو راحتیں اک عشق سو کیفیتیں!
یاس کی لذت جدا کچھ اور حسرت کے مزے

ہم ہیں اور بے تابی دل گل ہے اور دردِ فراق
وہ ہیں اور اللہ رکھے عیش عشرت کے مزے

ربط حسن و عشق سے واقف نہ تھے تو چین تھا
واقفیت میں کہاں ناواقفیت کے مزے

کیا رفو کی داد مجھ سے چاہتا ہے چارہ گر
چھوڑ دیئے کمبخت تو نے سب جراحت کے مزے

جمع ہیں لاکھوں حسیں سب بے تکلف بے حجاب
کیا ہی دلکش ہیں تماشائے قیامت کے مزے

ان سے رسم و راہ کیا جاتی رہی جانے دیجے
خط کتابت کے مزے صاحب سلامت کے مزے

قبر پر آ کر وہ فانیؔ "بے مروت" لکھ گئے!
مجھ سے پوچھے کوئی لفظ بے مروت کے مزے

○

فرصت ہی نہیں کوئی گھڑی رنج و غم سے
سو کام لگے ہیں دل ناکام کے دم سے

من جاتے اگر تم ہمیں جھوٹوں بھی منا لو
وعدے سے تسلی سے دلاسے سے قسم سے

کہتے ہیں جسے عشق وہ ایمان ہے اپنا
کچھ دیر سے مطلب نہ ہمیں کام حرم سے

○

کسی کو کیا غرض سود و زیاں سے
گرے کیوں برق بچ کر آشیاں سے

مگر جب تو ہی باندھے دشمنی یہ
تو پھر کیا شکوہ کیجے آسماں سے

مٹاتے ہیں خط تقدیر کو ہم
جبیں گھستے ہیں تیرے آستاں سے

پھر اگر دل پلٹ جانا نکھرنا یہ چالیں سیکھی ہیں تم نے کہاں سے
بہت سر پٹختی ہیں آرزوئیں!
کوئی ناکام جاتا ہے جہاں سے

○

کیا کیا نہ اس نے کام لیا اک حجاب سے
اکثر صفیں نظر کی الٹ دیں نقاب سے
کیا کیا ہے پوچھ اپنے رخ بے نقاب سے
شاید نشان ذرہ ملے آفتاب سے
جاتی ہے اے امید کہاں دل اجاڑ کر
چل دے نہ کوئی اٹھ کے جہاں خراب سے
کل تک جو تم سے کہہ نہ سکا حال اضطراب
ملتی ہے آج اس کی خبر اضطراب سے
ہاں میرے بے شمار گناہوں سے درگزر
ہاں میرے عذر سن کرم بے حساب سے
اے آرزوئے دید وہ دن کیا ہے کو دل
لبریز شکوہ تھا نگہ کامیاب سے
فانی جہان عشق میں ہوں لاکھ انقلاب
غم بدگماں نہیں اثر انقلاب سے

○

مشتاق خبردار رہیں دل سے جگر سے
ملتی ہے زمانہ کی نظر ان کی نظر سے

منہ ڈھانپ لیا جوشِ ندامت کے اثر سے
خورشیدِ قیامت نے مرے دامنِ تر سے

یہ سایہ بھی اٹھا مری امید کے سر سے
منہ موڑ لیا آہ نے دنیا کے اثر سے

دل جن سے ملے اب وہ نگاہیں نہیں ملتیں
ملنے کو تو ملتی ہے نظر ان کی نظر سے

پیکاں کے کبھی ٹکڑے ہیں رگ کے کبھی ہیں ٹکڑے
بیٹھے ہیں دعا تھام لیے جیسے اٹھتا ہے کدھر سے

امید اثر اور ان آہوں کو جو نکلیں؟
اللہ کا گھر پھونک کے اللہ کے گھر سے

کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزم خدا زیں
لبیک کی آتی ہے صدا پاک جگر سے

عرفانِ محبت ہے جدا دل نہیں ہوتا
بنتے ہیں یہاں فالِ خبر ذوقِ خبر سے

بیکاری وحشت میں ہم اے گم شدۂ جنت
دیوار کی صورت کو بلا لیتے ہیں در سے

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ فانی
روتی ہے گلے مل کے سحر شمع سحر سے

○

اب سرگزشتِ غم ہے کراہ کیا کہیں جسے
وہ واردات قلب تمنا کہیں جسے

اب زندگی ہے نام اسی امیدِ دور کا
ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا کہیں جسے

دل حاصلِ حیات ہے اور دل کا ماحصل
وہ بے دلی کہ جانِ تمنا کہیں جسے

کیفیتِ ظہور فنا کے سوا نہیں
ہستی کی اصطلاح میں دنیا کہیں جسے

محور کا اجتہاد ہے ذرے کی ہر نمود
ذرے کا اعتبار ہے صحرا کہیں جسے

کیا قہر ہے لطافتِ دل پر گراں نہیں
وہ پیرہن غبارِ تمنا کہیں جسے

کب تک رہیں ذوقِ تماشا ہے کوئی
اب وہ نگاہ دے کہ تماشا کہیں جسے

ہے اتصالِ قطرہ و دریا پہ منحصر
وہ آبروئے قطرہ کہ دریا کہیں جسے

دریوزۂ فنا مرے مسلک ہی حرام
در پر وہ زندگی کا تقاضہ کہیں جسے

فانیؔ سکوتِ موت نے دل سے مٹا دیا
وہ نقشِ بے قرار کہ دنیا کہیں جسے

دوری ہی پھر اچھی تھی نزدیکی منزل سے
کشتی کو ملا ساحل ٹکرا گئی ساحل سے

شاید مرے مرنے کا دلچسپ نہ تھا منظر
آج ان سے مری حالت دیکھی گئی مشکل سے

ایمان محبت کی بجھنی نہیں چنگاری
اٹھتا ہے دھواں اب تک خاکِ تہِ بسمل سے

ہوتا نہیں اب ان کی محفل میں شمار اپنا
یوں بیٹھے ہیں ہم جیسے اٹھ سے گئے محفل سے

وہ ہم سے کہاں چھپتے ہم خود ہیں جواب ان کا
محمل میں جو چھپتے ہیں چھپتے نہیں محمل سے

تجھ کو یہ خبر ہوگی ہم کو تو نہ تھی ناصح
پہلی ہی نظر اٹھ کر رہ جائے گی قاتل سے

غربت میں غنیمت ہے اتنا بھی نشاں فانی
کچھ خاک کے ذرے ہیں پہنچے ہوئے منزل سے

چونک پڑتے ہیں ذکرِ فانی سے
نیند اچٹتی ہے اس کہانی سے

تیری نامہربانیوں کی قسم
آگ ہے دل کو مہربانی سے

ہم نے اپنا سراغ پا ہی لیا
آپ کی شان بے نشانی سے

حشر کو بھی ہے دور کی نسبت
چشم بد دور اس جوانی سے

مژدۂ مرگِ ناگہاں کی پناہ
فتنۂ عمرِ جاودانی سے

کاش میری زباں سے سنتے
اب جو سنتے ہو بے زبانی سے

کچھ خبر بھی ہے روٹھنے والے
زندگی روٹھتی ہے فانی سے

آہ سے یا آہ کی تاثیر سے
جی بہل جاتا کسی تدبیر سے

اب سے غم سہنے کی عادت ہی سہی
صلح کر لیں آؤ چرخ پیر سے

جبر کو کیوں کر نہ سمجھوں اختیار
تم نے باندھا ہے مجھے زنجیر سے

کام اب اس تدبیر پر ہے منحصر
واسطہ جس کو نہ تقدیر سے

اس نگاہ ناز کا اللہ رے فیض
نسبتیں ہیں زخم دل کو تیر سے

ہوشیار او خرچ بے پروا خرام
بچ کے میری خاک دامن گیر سے

عشق فانی اس پہ یہ اپنی بساط
کھیلتی ہیں بجلیاں تصویر سے

داد خود نمائی نے وحدت تمنا سے
آئینہ طلب فرما کہ کثرت تماشا سے

اور ہو نہ ہو حاصل انفراد فردا
اٹھ گیا محبت کا اعتبار دنیا سے

حشر میں وہ کیوں پوچھیں کیف ذوق حسرت کے
شان بے نیازی کو آرزو ہے سوا سے

عشرت تجلی کی لذتیں ذرا ٹھہریں
اکتساب ہم کر لوں حسن بے تماشا سے

ان کی دلنوازی میں کوئی شک سہی لیکن
ان کی دلنوازی کو لاگ ہے تمنا سے

بے نیاز تصور بھی جا کے اب نہ آئے گا
بہر ہوش اٹھتی ہے عاشقی کی دنیا سے

اس نظر نے چن چن کے آج پھر مٹا ڈالا
اضطراب ناپید پھر سکون پیدا ہے

قصۂ جنوں اب تک یاد ہے مگر اتنا
انتہا ہے ویرانی ابتدا ہے صحرا سے

اس جگہ کہ حاصل ہے اعتبار ساحل کا
حد جہاں پہ قطرے کی مل گئی ہے دریا سے

حسن کی اداؤں کو دیکھ ہی لیا ہوتا
کام آ پڑا فانی عشق کار فرما سے

○

کیا ہوا باندھی ہے صدقے نالۂ شبگیر کے
آسماں پھر اکھڑے جاتے ہیں قدم تاثیر کے

بے مروت بن کے اب کیا سوئے صحرا جائیے
ٹوٹتے ہیں پاؤں پھر حلقے مری زنجیر کے

ضبط باقی غم سلامت ہے تو سن لینا کبھی
آہ گھبرا کر نکل آئی کلیجہ چھید کے

وصل سے محروم ہوں ورنہ گستاخی معاف
تم سے لیتا ہے تصور آپ کی تصویر کے

مجھ کو مضطر دیکھ کر کہتا ہے قاتل پیار سے
آ ادھر سایہ میں سو جا دامن شمشیر کے

ساتھ جائے گا مری میت کے سامان خلش
دل میں رکھ چھوڑے ہیں پیکاں ہم نے تیر کے

میرے مرنے ہی دل بیتاب کو چین آ گیا
زندگی صدقے ہے الٹی گردش تقدیر کے

سعی نا کام بے اثر فکر و دل بے فائدہ
زخم دل اے چارہ گر قائل نہیں تدبیر کے

دیکھیے کیا ہو وہ آخر رد گئی آ بے سبب
ہم خطا نا کردہ خود گر عذر بے تقصیر کے

دیکھ فانی وہ تری تدبیر کی میت نہ ہو
اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے

سمائیں آنکھ میں کیا شعبدے قیامت کے
مری نظر میں ہیں جلوے کسی کی قامت کے

یہاں بلا ہے شبِ غم وہاں بہار شب
کسی کی رات کسی کے ہیں دن قیامت کے

ستارے ہوں تو ستائے نہ ہوں تو برقِ بلا
چراغ ہیں تو یہ ہیں بے کسوں کی تربت کے

الٹ دیا غمِ عشقِ مجاز نے پردہ
حجابِ حسن میں کچھ راز تھے حقیقت کے

اڑا لیے ہیں کچھ انداز موت نے فانی
عتابِ یاس کے روزِ سیاہ فرقت کے

ابھری ہوئی ہے چوٹ دلِ دردمند کی
رکھنا قدم تصورِ جاناں سنبھال کے

کہتے ہیں جن کو عرفِ محبت میں داغِ دل
وہ نقش تو نہ ہوں ترے پائے خیال کے

ہنگامہ شباب ہے اے دل ذرا اٹھ
جاتا ہے تو کہاں مجھے آفت میں ڈال کے

قربان ایک آمدِ دل پر ہزار غم
صدقے اس ابتدائے قیامت مآل کے

○

غم مٹا دیا غم کا لذت آشنا کر کے — کیا کیا ستمگر نے جو گر جفا کر کے
کہتے ہو وفا کی بھی ایک حد معین تھی — کس قدر پشیماں ہوں ترک وفا کر کے
وہ میری شکایت پر چپ کھڑے ہیں محشر میں — بت انھیں بنا پایا اب خدا خدا کر کے
وہ مرے جنازے پر بعد مرگ آئے ہیں — مدعا ہوا حاصل ترک مدعا کر کے

لذت فنا ہر گز گفتنی نہیں یعنی
دل ٹھہر گیا فانی موت کی دعا کر کے

○

کچھ ہوش گنوانے کے پیرے کچھ ہوش ہیں پھر آجانے کے
یہ دونوں عالم کچھ بھی نہیں ٹکڑے ہیں مرے افسانے کے
کچھ حیرت کے آثار سے ہیں کچھ دل سا ٹھہرا جاتا ہے
وحشت سے گزرے جاتے ہیں انداز ترے دیوانے کے
دل کی جو حقیقت ہے کیا کہیے حسن بھی دل ہے عشق بھی دل
ہر شمع جلائی جاتی ہے پردے ہیں کسی ویرانے کے
بیداد یہ کہیے اف نہ کریں کہیے تو تڑپ کر دم دیدیں
کچھ شغل ہمیں بھی آتے ہیں سرکار کا دل بہلانے کے

اک جادہ ہے غم دنیا کا اک راہ محبت ہے فانی!
ہر آفت کے دو رستے ہیں اور وہ بھی گھر تک جانے کے

○

نظر آج ان سے رہ گئی مل کے — آخری کچھ پیام تھے دل کے
تو نے دیکھا ہے اے نسیم سحر! — کچھ خدائی تھے شمع محفل کے

خلشیں کتنی ہمارے دم کے ساتھ — آج کانٹے نکل گئے دل کے
پھول کو پھول جاننے والے — کل یہ چبھتے تھے خون بسمل کے
تیز تر جادۂ وفا سے گزر — مٹ رہے ہیں نشان منزل کے
چھوٹ جاتے ہیں چھوٹنے والے — چھوڑ جاتا ہے یوں کوئی مل کے
خاک ہے تو اسی گل کی خاک — اللہ اللہ یہ حوصلے دل کے
ان کی نظر میں ہی کچھ کہیں تو کہیں — ان کی نظروں نے کیا کیا مل کے
مرگ فانی نہیں اب تو دیر نہ کر
سہل فرمانے والے مشکل کے

یوں چلے گر جانب دل بر چلے — سر کے بل جائے یہاں بے سر چلے
باغ دنیا کوئی اپنا گھر نہ تھا — آئے تھے گل گشت کرنے کر چلے
یہ تقاضا ہے سوائے شوق کا — اس طرح چل جس طرح صرصر چلے
ہاں کوئی جادو جگا دو آنکھ سے — ہاں کوئی چلتا ہوا منتر چلے
خنجر قاتل کا شکوہ کیا کریں — چلتے جی ہم دل سے ہاتھوں دھر چلے
کر چکے تم پہ فدا جان عزیز — ہم ادا حق محبت کر چلے
کس طرح سے ہم چلے سوئے لحد — بعد مدت جیسے کوئی گھر چلے
مل گئی فانی محبت کی سزا
دے کے دل ہم جان صدقے کر چلے

کی وفا یار سے ایک ایک جفا کے بدلے
ہم نے گن گن کے لیے خون وفا کے بدلے

کی سپرد در بت خانہ اجل نے مری خاک
کس کو سونپا مجھے ظالم نے خدا کے بدلے

لطف، بیداد، حیا، غصہ، تغافل، شوخی
رنگ کیا کیا نہ تلون نے ادا کے بدلے

ہائے میں کشتۂ انداز ہوں یا رب کس کا
خود آئی آپ مجھے لینے کو قضا کے بدلے

تیر سے، تیغ سے، خنجر سے، سناں سے مارا
کئی پہلو مرے قاتل نے قضا کے بدلے

کفن اسے گرد لحد دیکھ نہ میلا ہو جائے
آج ہی ہم نے یہ کپڑے ہیں نہا کے بدلے

عشق اللہ بچائے وہ مرض ہے فانی
زہر بیمار کو دیتے ہیں دوا کے بدلے

دم نزع آ دیکھ انجام فرقت
جدا ہو رہے ہیں جدا ہونے والے

خدائی کے سر جھک گئے اسکے در پر
یہ کافر ہیں کیا جانے کیا ہونے والے

کبھی تو مرے درد دل کی خبر لے
مرے درد سے آشنا ہونے والے

تجھے موت کا آسرا دے رہے ہیں
مری زیست کا مدعا ہونے والے

کوئی بے نیازی کی حد بندہ پرور
کسی کے ہو شاید خدا ہونے والے

عدو مری لاش پہ تہمت سی کچھ اٹھا کے چلے
مجھے قرار سے دیکھا تو مسکرا کے چلے

یہ دل حریف تجلی ہی کیوں بنا پایا تھا
کہ جب یہ نقش دوئی بن گیا مٹا کے چلے

ادائے دعوت نظارہ دیدنی ہے کہ وہ
مری نگاہ سے نظریں بچا بچا کے چلے

مگر نمود مشیت وجود تھا اپنا!
رضائے دوست کو ہم آئینہ دکھا کے چلے

بلاکشوں کا تمہاری بلا کرے ماتم
جو غم اٹھانے کو آئے تھے غم اٹھا کے چلے

کرم کیا تو بہ اندازۂ تبسم برق
وہ کچھ خیال میں آئے تھے کہ آ کے چلے

یہ لطف عام ہے فانی یہ کچھ نہیں ہے
جدھر حضور گئے بجلیاں گرا کے چلے

○

کیا چاہتا ہو منہ سے اللہ بھی نہ نکلے
ارمان دل یہ قدر یک آہ بھی نہ نکلے

چاہوں بھی اور یہ ضد ہے چاہا انہیں گیا تھی
دل سے دعا بھی نکلے دل خواہ بھی نہ نکلے

اللہ رے سخت جانی شبہائے غم کہ نالے
تاثیر کیا دکھاتے جاں کاہ بھی نہ نکلے

ہر راہ سے گزر کر دل کی طرف چلا ہوں
کیا ہو جو ان کے گھر کی یہ راہ بھی نہ نکلے

کیا وصف جور بھی ہے اب ناگوار خاطر
دل سے شکست دل پر ہاں اب واہ بھی نہ نکلے
شکوہ نہ کر فغاں کا وہ دن خدا نہ لائے
تیری جفا پہ دل سے جب آہ بھی نہ نکلے
اے جان و دل کے دشمن یہ کیا کہ جان فانیؔ
نکلے بھی اور دل کے ہمراہ بھی نہ نکلے

○

گریۂ جوش ندامت میں اب تھمنے کا تو نام نہ لے
جب تک رحمت کا ہر پہلو دل کا دامن تھام نہ لے
دل کی لامحدود فضا میں گم ہو جا اپنے کو ڈھونڈ
ہوش کے بس کا روگ نہیں ہے ہوش سے تو کام نہ لے
عادت کا مفہوم یہی ہے جہد طلب سے باز نہ آ
بڑھنے دے دل کی بے چینی تڑپے جا آرام نہ لے
لغزش توبہ کے ہاتھوں رندوں کا ٹھکانہ تھا کوئی
مستی چشم اگر تو گرتے ہوؤں کو تھام نہ لے
ننگ ہے سعی غرض محبت فرض محبت پورا کر
اس کے سوا کچھ یاد نہ رکھ بھولے سے ثمر کا نام نہ لے
دل تو دل ہے دل کو چین آ جانا آسان نہیں
درد وہ ہے جو دل میں اٹھ کر آپ بھی پھر آرام نہ لے

جو ہونا ہے ہو کے رہے گا مجبوری کی حد سے نہ بڑھ
بیٹھے بٹھائے اپنے سر آزادی کا الزام نہ لے

کافر صورت دیکھ کے منہ سے آہ نکل ہی جاتی ہے
کہنے کیا ہو اب کوئی اللہ کا یوں بھی نام نہ لے

حسن پشیماں کو فانی میت آئے تکلیف کرم
وضع شکست عشق نبھاؤ سے دیکھ کوئی الزام نہ لے

○

موت کی رسم نہ تھی ان کی ادا سے پہلے
زندگی درد بنائی تھی دوا سے پہلے

کیوں رہے بیچ میں یہ واسطہ حسن قبول
بند کر باب اثر میری دعا سے پہلے

کاٹ ہی دیں گے قیامت کا اک دن اور بھی
دن گزارے ہیں محبت میں قضا سے پہلے

میری عادت ہے وفا ان پہ کچھ احسان نہیں
تھا مجھے ذوق وفا ان کی جفا سے پہلے

دو گھڑی کے لیے میزان عدالت ٹھہرے
کچھ مجھے حشر میں کہنا ہے خدا سے پہلے

کچھ ادائیں ہیں جنہیں قتل عبث منظور ہے
کچھ سزائیں ہیں جو ملتی ہیں خطا سے پہلے

تم جوانی کی کشاکش میں کہاں بھول اُٹھے
وہ جو معصوم شرارت تھی ادا سے پہلے

ہائے اُن کا مری میت پہ عذرِ تاخیر
سو گئے تم مرے دامن کی ہوا سے پہلے

دارِ فانی میں کیا ڈھونڈ رہا ہے فانی
زندگی بھی کہیں ملتی ہے فنا سے پہلے

وعدہ پھر اب کے بار کر کے چلے
پھر تم امیدوار کر کے چلے

دل کو کس دن قرار آیا تھا
تم کسے بے قرار کر کے چلے

دردِ دل کو جگانے آتے تھے
درد کو ہوشیار کر کے چلے

اٹھ رہا ہے حشر پھر ترا امیدوار
لے ترا اعتبار کر کے چلے

دل پہ کچھ اختیار تھا فانی
دل کو بے اختیار کر کے چلے

توبہ نہ کرو ستم سے پہلے
اتنا تو کرو کرم سے پہلے

اچھا کوئی عذر بھی نہ سنا
کچھ منہ سے تو کہیے ہم سے پہلے

تیری ہی خوشی ہے آج غم بھی
تیری ہی خوشی تھی غم سے پہلے

کچھ اور حسین ہو گئے آپ
یہ بات نہ تھی ستم سے پہلے

مشکل ہے کہ اب وعدہ وفا ہو
کچھ کہہ کے رکے قسم سے پہلے

منزل پہ ٹھہر گیا ہوں تھک کر بت خانہ پڑا حرم سے پہلے

فانیؔ غم روزگا کب تک!

کچھ فکر عدم عدم سے پہلے

جنس دل مفت پھنسا کر کوئی دیوانہ بنے

زلف جاناں سے بنا ہے کوئی سودا نہ بنے

اے تری شان کہ بت خانہ تو کعبہ بن جائے

دل کہ مسکن ہے ترا کعبہ سے بتخانہ بنے

لب تک آجاتے غم ہجر تو شکوہ ہو جاتے

آپ سن لیں تو عجب کیا ہے کہ افسانہ بنے

چمکا دیا ہے رنگ چمن لالہ زار نے
شاید خزاں کو آگ لگا دی بہار نے

ہر شام شام گور گونہ ہے ہر صبح صبح حشر
کیا دن دکھائے گردش لیل و نہار نے

تربت کے پھول شام سے مرجھا کے گئے
رو رو کے صبح کی مری شمع مزار نے

ہاں ہاں نہ کچھ فریب تمنا سے بے خبر
کیا کہیے کیا کیا دل امیدوار نے

اپنی تو ساری عمر ہی فانیؔ گزار دی
اک مرگ ناگہاں کے غم انتظار نے

کترا رہے ہیں یہ گل تری ایک جنبش دامن نے

یوں کم نہ لیے بیداد و کچھول بھی گلشن نے

بخشا جو شرف ان کے اڑتے ہوئے دامن نے
اٹھ اٹھ کے بلائیں لیں خاکِ سرِ مدفن نے

جو مجھ پہ ہوئی ایسی بیداد نہ کی ہوگی
اللہ کے بندوں پہ اللہ کے دشمن نے

وہ قصۂ موسیٰ پھر اے سوزِ جگر کہنا
کس آگ کی چنگاری دی وادیٔ ایمن نے

یہ سوختہ ساماں کس کس کے نہ کام آئی
لی ایک نہ اک بجلی ہر دانۂ خرمن نے

کل تک یہی گلشن تھا صیاد بھی بجلی بھی
دنیا ہی بدل دی ہے تعمیرِ نشیمن نے

یہ رشکِ محبت کی روداد ہے اے فانی!
اک دوست کے مرنے سے ہی ماتم دشمن نے

O

لبیک کہا کس کو حیاتِ ابدی نے
دم توڑ دیا کیا ترے قدموں پہ کسی نے

مجموعۂ آداب دو عالم ہے محبت
مرنے کے سلیقے ہیں تو جینے کے قرینے

مرتے ہی بن آئی نہ جینے ہی بن آئی
مارا مجھے قاتل کی مسیحا نفسی نے

پڑتا نہیں اس آئینے میں عکس کوئی اور
دل میں تری تصویر ہی رکھ دی ہے کسی نے

آئینہ بصد جلوہ و ہر جلوہ بصد رنگ
کیا کیا نہ کیا تیری تماشا طلبی نے

دو نام ہیں ہستی و فنا ایک ہی دل کے
مارا ہے اسی دل نے جلایا ہے اسی نے

امید بھی کیا شے ہے کہ سانس میں فانیؔ
کچھ زندگیِ خضر کے پاتا ہوں قرینے

○

ادا سے آڑ میں خنجر کی منہ چھپائے ہوئے
مری قضا کو وہ لائے دلہن بنائے ہوئے

الٰہی کیوں نہیں ہوتی کوئی بلا نازل
اثر ہے دیر سے دستِ دعا اٹھائے ہوئے

تری لگائی ہوئی آگ حشر تک نہ بجھی
ہوئے نہ مر کے بھی ٹھنڈے ترے جلائے ہوئے

بلائے جان مگر پھر بھی آرزو ہے تری
ہم اس کو اپنے کلیجے سے ہیں لگائے ہوئے

سحر ہوئی کہ وہ یادش بخیر آتا ہے!
چراغ ہیں مری تربت کے جھلملائے ہوئے

تمہیں کہو کہ تمہیں اپنا سمجھ کے کیا پایا!
مگر یہی کہ جو اپنے تھے سب پرائے ہوئے

کسی کا ہاتھ وہ مقتل میں اس طرح آنا
نظر بچائے ہوئے آستیں چڑھائے ہوئے

اجل کو مژدۂ فرصت کہ آج فانیؔ زار!
امیدِ وصل سے بیٹھا ہے لو لگائے ہوئے

جاتا ہے صبر بے سروساماں کیے ہوئے
ناموسِ عشق ہدیۂ مژگاں کیے ہوئے

افشائے رازِ اہلِ جنوں مصلحت نہیں
پھرتا ہوں دھجیوں کو گریباں کیے ہوئے

پھر لے چلا ہے گریۂ بیتاب خطِ شوق
دل کے لہو کو زینتِ عنواں کیے ہوئے

پھر ناوکِ نگاہ کا رخ پھر سوئے دل
سامانِ صد جراحتِ پنہاں کیے ہوئے

دل کی لحد پہ خاک اڑانے چلا ہے عشق
ذرے سے آفتابِ بیاباں کیے ہوئے

پھر گوشہ گیرِ حلقۂ زنجیر ہے جنوں
صحرا کو نذرِ تنگیِ زنداں کیے ہوئے

اور اک دردِ دل بھی رہا ہر نفس کے ساتھ
دشواریِ حیات کو آساں کیے ہوئے

طوفانِ اضطرابِ جنوں اٹھ کے دیر سے
بیٹھا ہوں جمعِ خاطرِ داماں کیے ہوئے

اے عقلِ غم فروش فراغت نما ٹھہر
آتا ہے عشق درد کو درماں کیے ہوئے

کیوں اہلِ حشر ہے کوئی نقادِ سوزِ دل
لایا ہوں دل کے داغ نمایاں کیے ہوئے

فانی اب ان کی یاد پہ کیا کیجیے تنہا!
مدت ہوئی وداعِ دل و جاں کیے ہوئے

ہر دل ہے تیرے غم کی امانت لیے ہوئے
ذرے ہیں اک جہانِ حقیقت لیے ہوئے

دے اذنِ عامِ عشق کو تاراج ہوش کا
بیٹھا ہوں دل میں صبر کی دولت لیے ہوئے

محشر میں جبر دوست سے طالب ہوں داد کا
آیا ہوں اختیار کی تہمت لیے ہوئے

اس خاک دان تیرہ میں کیا ڈھونڈتا ہوں میں
پھرتا ہوں شمع داغ محبت لیے ہوئے

کافر ہوں گر یقین نہ ہو کافر کی بات کا
وعدے ہیں اعتبار قیامت لیے ہوئے

روشن ہوئی وہ گور غریباں میں شمع طور
آغوش نور میں مری تربت لیے ہوئے

○

اٹھ اے نگاہ شوق اٹھ متاع جاں لیے ہوئے
وہ دامن نگاہ میں ہیں بجلیاں لیے ہوئے

فلک کی ساری بستیاں ہیں قلب خاک میں
زمیں کی ساری وسعتیں ہیں آسماں لیے ہوئے

حجاب روز گار میں جھلک ہے یاد یار کی
نشاط آشکار ہے غم نہاں لیے ہوئے

وصال ہو کہ ہجر ہو حیات ہو کہ موت ہو
ہر اعتبار عشق ہے پیام جاں لیے ہوئے

نبائے غم کی خیر ہو کہ آج آہ واپسیں!
چلی ہے دل کی وادیوں سے آندھیاں لیے ہوئے

نہ پوچھ عہدِ ہوش کو کہ دامنوں کی آڑ میں
پھرا کیا ہوں دامنوں کی دھجیاں لیے ہوئے

قبائے ذات نام ہے لطافتِ حیات کا
غبارِ راہ کارواں ہے کارواں لیے ہوئے

نہ پوچھئے کہ ہم سے کیا سماں ہے ماتمِ گناہ کا
سیاہیاں امید کی تجلیاں لیے ہوئے

دلیل فتح عاشقی نوید صد شکست ہے
امانت بہار ہے مری خزاں لیے ہوئے

آیا ہوں حشر میں دل شبیر لیے ہوئے
آشوب صد جہان تماشا لیے ہوئے

ہنگامہ نزع راہ تیری دیکھتا ہوں میں
آنکھوں میں زندگی کا تقاضا لیے ہوئے

دیکھے ہیں ہم نے گور غریباں کی آڑ میں
آبادیاں خرابی صحرا لیے ہوئے

دیکھا نہ اہل دل نے کسی دن اُٹھا کے آنکھ
دنیا گزر گئی غم دنیا لیے ہوئے

ہر آئینہ ہے دعوت سعی نظر مجھے
ہر شئی اعتبار تماشا لیے ہوئے

اٹھتا وہ تیرے در سے کسی نامراد کا
اک آہ زیرِ لب کا سہارا لیے ہوئے

فانی مری لحد پہ وہ آتے تو کس طرح
کچھ تیوروں میں شکوہ بجا لیے ہوئے

○

فلک دشمن ہے نالے بے اثر ہیں یار بے پروا
تری مشکل ہو آساں اے دلِ ناداں یہ مشکل ہے

الٰہی قطع ہو گی روح سے راہِ عدم کیوں کر
مجھے جب سانس لینا ضعف سے قطعِ منازل ہے

بقائے جذبۂ الفت اسے کہتے ہیں فانی
کہ اب تک گردِ بادِ خاکِ مجنوں شکلِ محمل ہے

○

کس قدر جذبہ الٰہی خنجرِ قاتل میں ہے
میاں سے نکلے تو میں سمجھوں کہ خنجر دل میں ہے

حالِ دل کب تک سنو گے بس تم اتنا جان لو
مرغِ بسمل کی سی کیفیت دلِ بسمل میں ہے

منہ سے کہیے یا نہ کہیے مل گیا ہم کو جواب!
آپ کے تیور کہے دیتے ہیں جو کچھ دل میں ہے

○

رنجش بے جا تمہاری ادا ہے — بخت کی ناسازگاری اور ہے
کون اٹھائے بار احسان شفا! — اب تمنا ہی ہماری اور ہے
آنسوؤں پر منحصر رونا نہیں — عاشقوں کی اشکباری اور ہے

باوفاؤں پر جفا کرتے ہو تم
ورنہ رسم دوستداری اور ہے

○

کسی کی یاد مژگاں دل میں جب نشتر چبھوتی ہے
خلش ہوتی ہے لیکن کس قدر پر لطف ہوتی ہے
قدم آہستہ اے امید رکھنا خانۂ دل میں!
کہ میری آرزو آغوش محرومی میں سوتی ہے
تصنع سے نہیں خالی ضیا یہ حسن قدرت بھی
کہ شبنم رات بھر گلشن میں منہ پھولوں کا دھوتی ہے
مبارک جذبۂ دل اشک پیہم کا گہر ہونا!
کسی کی یاد انھیں تار نفس میں پروتی ہے
کلیجہ تھام لو تم تاب شیون لا نہیں سکتے
کہ میری موت میری بے کسی سے مل کے روتی ہے
جو پہلے تم کیا کرتی تھی ظالم تیرے دامن کو
وہ چشم خوں فشاں اب خست ہستی کو دھوتی ہے

نہ چھوڑا نخل غم کی آبیاری نے مہو باقی
سرشت عشق دل میں کس بلا کا بیج بوتی ہے
مری حسرت کو فانی کاش اتنا کوئی سمجھا ہے
کہاں تک سوگواری صبر کر کیوں جان کھوتی ہے

○

تم نے جانا ہی نہیں درد جگر کیا چیز ہے!
دل کا آ جانا کسی بے درد پر کیا چیز ہے
کس کو دیکھوں کس کو سمجھوں دونوں عالم ہیں نہیں
حور بھی قربان ہے تم پر بشر کیا چیز ہے
کاش میں واقف نہ ہوتا تم ورا عشق ہے
کاش تم سمجھو کہ عشق فتنہ گر کیا چیز ہے
کیا کہیں گے گر وہ فانی حال دل سن کر کہے
ہم نے مانا درد دل کچھ ہے مگر کیا چیز ہے

○

تو شمع آئینہ خانہ ہے آئینہ کیا ہے!
تری خدائی کے قربان ماسوا کیا ہے
اٹھا بھی دے نگہ ماسوا نگر کا حجاب
یہ دیکھنے ہی کا پردہ ہے دیکھتا کیا ہے

کیا ہے خلق مجھے باوجود علم گناہ !
یہ ابتدا ہے کرم کی تو انتہا کیا ہے

بشر میں عکس موجودات عالم ہم نے دیکھا ہے
وہ دریا ہے یہ قطرہ لیکن اس قطرے میں دریا ہے

مری میت پہ ان کا طرزِ ماتم کس بلا کا ہے
دلِ بے مدعا سے پوچھتے ہیں مدعا کیا ہے

مری آنکھوں میں آنسو تجھ سے ہمدم کیا کہوں کیا ہے
ٹھہر جائے تو انگارہ ہے بہہ جائے تو دریا ہے

کوئی دل میں نہیں آتا تو پھر یہ داغِ دل کیا ہے
بتادے عشق یہ کس چور کا نقشِ کفِ پا ہے

مری محرومیوں کا فیض جاری ہے رگ و پے میں
بدن میں جو لہو بوند ہے خونِ تمنا ہے

غبارِ رشکِ خارستانِ یاس کے منظر سا
ہمارے دل کی دنیا بھی کوئی دنیا میں دنیا ہے

تمہارے ظلم طعنے غیر کے لوگوں کی آواز ہے
محبت میں دلِ مجبور کو سب کچھ گوارا ہے

نظر آتے ہیں دل میں آج پھر آثارِ بے تابی
ہم اے امید سمجھے اس میں کچھ تیرا اشارا ہے

محبّت ہی نہیں تو پاس آدابِ محبت کیا
وفا کی یا جفا کی جانے دو یہ ذکر ہی کیا ہے
اسی کو تم مگر اے اہلِ دُنیا جان کہتے ہو
وہ کانٹا جو مری رگ رگ میں رہ رہ کر کھٹکتا ہے
نہ بن انجان ظالم لاکھ بے تاثیر ہوں نالے
خبر دل کی نہ ہو دل کو کہیں ایسا بھی ہوتا ہے
شب فرقت میں ہم ہر سانس سے یہ پوچھ لیتے ہیں
جگر تو خیریت سے ہے مزاجِ دل تو اچھا ہے
یہ کیا کہتے ہو فانیؔ سے کہ تیری موت آتی ہے
تم اس ناکام کے دل سے یہ پوچھو زندگی کیا ہے

○

متاعِ جلوہ تحیر ہے مجھ کو سکتا ہے!
دل آئینہ ہے کہ منہ آئینہ کا تکتا ہے
حجاب زعم تماشا اٹھا تو کچھ دیکھوں!
رہی نگاہ یہ پردہ تو اٹھ ہی سکتا ہے
وہ دل میں ہوک سی اٹھی وہ مجھکو ہوش آیا
وہ درد جسکی دوا تو ہے پھر چمکتا ہے
امید و تبسم یہ ہے ہستی بشر موقوف!
کہ جا کے دم پلٹ آتا ہے دل دھڑکتا ہے

خفا نہ ہو تو یہ پوچھو کہ تیری جان سے دور
جو تیرے ہجر میں جینا ہے مر بھی سکتا ہے
اجل بس ایک ہی کانٹا نکال کر چل دے
کھٹک کہ خار تمنا ابھی کھٹکتا ہے!
حدود غم سے غم عشق بڑھ چلا فانیؔ
وہ جام عمر لب ریز تھا چھلکتا ہے

○

دل جو عالم میں فرد رہتا ہے! | نذر ارباب درد رہتا ہے!
جان دل کے لہو پہ کیا گزری | رنگ اشکوں کا زرد رہتا ہے
سوز غم کی نہ پوچھ ضبط کو دیکھ | یہ جہنم بھی سرد رہتا ہے
مژدہ انجام غم کے پہلو میں | دل بہ عنوان درد رہتا ہے
ذرے ذرے کے روپ میں فانیؔ
کوئی صحرا نورد رہتا ہے

○

اب انھیں اپنی اداؤں سے حجاب آتا ہے
جسم بد دور دلہن بن کے شباب آتا ہے
ہجر میں بھی مجھے امداد اجل تھی درکار
میری تہمت پہ نہ آ تجھ سے حجاب آتا ہے

دیدۂ آخر ہے الٹ دیجیے چہرے سے نقاب
آج مشتاق کے چہرے پہ نقاب آتا ہے

کس طرف جوشِ کرم تیری نگاہیں اٹھیں
کون محشر میں سزاوارِ عتاب آتا ہے

موت کی نیند بھی اب چین سے سونا معلوم
کہ جنازے پہ وہ غارت گرِ خواب آتا ہے

دل کو اس طرح ٹھہر جانے کی عادت تو نہ تھی
کیوں اجل کیا مرے نامے کا جواب آتا ہے

جلوئے رنگ ہے نیرنگ تقاضائے نگاہ
کوئی مجبورِ تماشائے سراب آتا ہے

ہو گیا خون ترے ہجر میں دل کا شاید
اب تصور بھی ترا نقش بر آب آتا ہے

ملتی جلتی ہے مری عمرِ دو روزہ فانیؔ
جی بھر آتا ہے اگر ذکرِ حباب آتا ہے

○

جلوہ بے چشمِ آشنا کیا ہے — میں ہی میں ہوں مرے سوا کیا ہے
شغل ہے تشنگی کی فرصت کا — اور مجبور کی دعا کیا ہے!
تیری تدبیر ہے مری تقدیر — ابتدا یہ ہے انتہا کیا ہے
دل سراپا نظر وہ حسن تمام — بند کر آنکھ دیکھنا کیا ہے

مدعا ہے کہ مدعا نہ کہوں! پوچھتے ہیں کہ مدعا کیا ہے
گلہ مند جفا تو ہو فانی
یہ بھی معلوم ہے جفا کیا ہے

○

رگ رگ میں اب انداز بسمل نظر آتا ہے
ہر سانس کے پردے میں قاتل نظر آتا ہے
وہ وعدۂ آساں پر مائل نظر آتا ہے
اب کارِ تمنا بھی مشکل نظر آتا ہے
تو دشنہ و پہلو میں حائل نظر آتا ہے
جیتے ہیں کہ مر جانا مشکل نظر آتا ہے
ترکِ غم ساحل کا حاصل نظر آتا ہے
اے ڈوبنے والے وہ ساحل نظر آتا ہے
دل کھوتے ہوئے برسوں گزرے ہیں مگر اب بھی
افسوس شکل آتے ہیں جب دل نظر آتا ہے
آغاز محبت میں جینے کے ہی لالے تھے
اب خیر سے مرنا بھی مشکل نظر آتا ہے
تو مست خود آرائی ہم حسن کے متوالے
جو ہے تری محفل میں غافل نظر آتا ہے

بیان فانی

۱۵

روداد محبت کی تصویر ہے ہر آنسو!
ہر قطرۂ خوں میں اک دل نظر آتا ہے
بینائی بے صرفہ بے وجہ نہیں یعنی!
دل درد محبت کے قابل نظر آتا ہے
موجوں کی سیاست سے مایوس نہ ہو فانی
گرداب کی ہر تہ میں ساحل نظر آتا ہے

○

جب پرسش حال وہ فرماتے ہیں جانیے کیا ہو جاتا
کچھ یوں بھی زباں نہیں کھلتی کچھ درد سا ہو جاتا ہے
اب خیر سے ان کی بزم کا اتنا رنگ تو بدلا میرے بعد
جب نام مرا آجاتا ہے کچھ ذکر وفا ہو جاتا ہے
یکتائے زمانہ ہوئے پھر صاحب یہ غرور خدائی کا
سب کچھ ہو مگر ظالم یہ ہنر کیا کوئی خدا ہو جاتا ہے
قطرہ قطرہ ہی رہتا ہے دریا سے جدا رہ سکنے تک
جب تاب جدائی لا نہ سکے وہ قطرہ فنا ہو جاتا ہے
پھر دل سے سارے کے سارے فانی نقش بغاوت جاتے ہیں
جس وقت وہ ظالم سامنے آکر جان حیا ہو جاتے ہیں

○

دل کو نہ کیوں کہوں جو ازل سے خراب ہے — یہ کیوں کہوں کہ ان کی تمنا عذاب ہے

یہ اس نگاہ ہوش ربا کی خطا نہیں!
دنیا بقدرِ ذوقِ خرابی خراب ہے

اب کیا کہیں کہ شکوۂ بیدادِ دوست کا
ہلکی سی ایک موجِ تبسم جواب ہے

کچھ اضطرابِ شوق کی لذت نہ پوچھیے
کہنے کو اضطراب فقط اضطراب ہے

میری نظر بھی اب مجھے پہچانتی نہیں
دل کا بھی انقلاب عجب انقلاب ہے

جب تو یہ تھا کہ ہے وہ تجلی حجاب بھی
اب کچھ نہیں تو ان تجلی حجاب ہے

نافی خیالِ دوست سے پیدا ہے شانِ دوست
دل کا یہ فیض ہے کہ نظر کامیاب ہے

○

غم دردِ جگر ہے یا بہت ہے
جو آپ سے مل گیا بہت ہے

پچھتائیں گے آپ دل کو لے کر
کم بخت غم آشنا بہت ہے

تکلیفِ جفا بھی کیوں کریں آپ
احسانِ غمِ وفا بہت ہے

چاہیے اور کیا زندگی کو
مر رہنے کا آسرا بہت ہے

نافی غمِ خدا نہ کرنا!
کشتی کو تری خدا بہت ہے

رابطۂ جسم و جاں دیکھیے کب تک رہے
زیست کا ہم پہ گماں دیکھیے کب تک رہے
میری گراں جانیاں مجھ سے جدا ہوئی ہیں
سعیٔ الم رائیگاں دیکھیے کب تک رہے
دیکھیے کب تک مٹے سینۂ فانی کا داغ
تربت دل کا نشاں دیکھیے کب تک رہے

ستم ایجاد رہیں گے ستم ایجاد رہے
اس میں اب شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے
آپ نے عہد کیا ہے مری غمخواری کا
اب اجازت ہو تو یہ عہد مجھے یاد رہے
کہ مری توبہ کو مقبولِ شکستِ توبہ
میری تدبیر میں تقدیر کی افتاد رہے
قید ہستی سے بہت تم نے کیے ہیں ایجاد
کوئی اس قید محبت کی بھی میعاد رہے
وہ خدائی ہو تو ہوں شان تجلی بھی
جس تجلی میں نگاہوں کو خدا یاد رہے

ظلم ہے تجھ سے بہ تقریب تکلف منسوب
ورنہ تقصیرِ مہر و وفا یہ ہے کہ ہم باور ہے
دلِ آباد کا ثانی کوئی مفہوم نہیں
ہاں مگر جس میں کوئی حسرتِ برباد رہے

وہ مشق خوئے تغافل پھر ایک بار رہے
بہت دنوں مرے ماتم سوگوار رہے
خدا کی مار جو اب دل اختیار رہے!
بہت قرار کے پہروں سے ہیں بے قرار رہے
کسی نے وعدۂ صبر آزما کیا تو ہے
خدا کہے کہ مجھے تاب انتظار رہے
فنا کے بعد یہ مجبوریاں ارے توبہ
کوئی مزار ہیں کوئی سر مزار رہے
سکون موت مری لاش کو نصیب نہیں
رہے کوئی مگر اتنا نہ بے قرار رہے
ہیں کب سے موت کے اس آسرے پہ جیتے ہوئے
کہ زندگی مرے مرنے کی یادگار رہے
جو دل بہل نہ سکے جان کیا بچائیں گے
نہ اختیار رہا ہے نہ اعتبار رہے

ہیں غم نصیب وہ مجبور شوق فانیؔ
جو نامراد جیے اور امیدوار رہے

○

گردش میں جام و سبو کرتے رہے
رند مشق ہاؤ ہو کرتے رہے
ان کی آواز آرہی تھی دل کے پاس
دیر تک کچھ گفتگو کرتے رہے
رشتۂ بے ضبطی ہی رہی اک آرزو
پردۂ تہہ کی آرزو کرتے رہے
یہ بھی وحشت تھی کہ دامن کر کے چاک
ہم تکلف سے رفو کرتے رہے
دل میں رہتے تھے وہ فانیؔ اور ہم
جستجو سی جستجو کرتے رہے!

○

اے موت تجھ پہ عمر ابد کا مدار ہے
تو اعتبار ہستی بے اعتبار ہے
ٹھہرا ازل پہ زندگیوں کا مدار ہے
عالم تمام غمکدۂ اعتبار ہے
ذرات چشم شوق ہیں آمادۂ نگاہ
محروم ہیں کہ اب بھی ترا انتظار ہے
بیداد کا گلہ تو کروں اور جو وہ کہیں
یہ کہیے امتحان وفا ناگوار ہے!
اک یہ وفا کہ ننگ غم دوست ہے ہنوز
اک وہ ستم کہ حسن کا آئینہ دار ہے
تمیز حسن و عشق نہ عرفان غم مگر
اک تیر بے نگاہ کلیجے کے پار ہے
دیکھیں خرام ناز کی محشر طرازیاں
ہر ذرے پہ سکون فنا بے قرار ہے
مختار ہوں کہ معترف جبر دوست ہوں
مجبور ہوں کہ یہ بھی کوئی اختیار ہے
اب کس کو اعتبار کہ تو بے وفا نہیں
اب کس کو انتظار مگر انتظار ہے

باقی نہیں کسی کو نشاطِ جنوں کا ہوش — کس جوش پر شباب غمِ روزگار ہے
آدابِ عاشقی کا تقاضا ہے اور بات — تو ورنہ دل کی آڑ میں خود بیقرار ہے
ہوگی کسی کو فرصتِ نظارۂ جمال
فانی خرابِ حسن تماشائے یار ہے

○

جلوہ ترا طلسم حجابات نور ہے — جو جس قدر قریب ہے اتنا ہی دور ہے
صرف دل شکستہ نہ کر نشۂ حیات — اب ظرف مے کہ یہ پیمانہ چور ہے
تسلیم ہیں مجھے بھی تری بے نیازیاں — یہ کیا کہوں کہ میری تمنا غیور ہے
وہ دیکھو سامنے ہی نشیب و فراز شوق — بڑھ اِدھر دو قدم کہ یہ ایمن ز طور ہے
گھٹتا ہی چاہتا ہے گریباں کا فاصلہ — پھر قسمتِ شوق دامنِ جاناں سے دور ہے
ہر ذرہ وہ نشاط سے محروم کر دیا ! — ارشاد ہے کہ ہجر میں جینا ضرور ہے
تجدید زندگی تو حجابات سے نہیں
فانی مگر یہاں کی مروت سے دور ہے

○

ہر تصور پہ جلوہ صورت کا کفر انگیز ہے
خاکِ دل اللہ اکبر کیا ہی کافر خیز ہے
بھر کے ساقی ایک جام زہر سے آلود لا
یعنی خاکم در دہن آج آتشِ دل تیز ہے

ہوش کا سرمایہ وحشت کے سوا ممکن نہیں
عالم اک مجموعۂ ذرات صحرا انگیز ہے

تھی شکست دل مگر تا حد آوازِ شکست
ٹوٹ کر بھی دل طلسم شوق یاس آمیز ہے

ہے فنا آباد غم اک معنی لفظ آفریں
صورت آباد جہاں اک لفظ معنی خیز ہے

شاید آ پہنچی ہے غم کی آخری منزل قریب
رنجشِ ہستی کو جو اب ہر سانس مہمیز ہے

جلوہ کیا دیکھے کوئی قدرت کے فرصت کہاں
یاں نقاب جلوہ خود حسن تماشا ریز ہے

گو نہیں جز ترک حسرت درد ہستی کا علاج
آہ وہ بیمار جو آرزوۂ پرہیز ہے

مایۂ ادراک ہستی ہے تکلف برطرف
زندگی میری دروغ مصلحت آمیز ہے

مرگ فانی کو ہے یارب آج اب کیا انتظار
دیر ہے پیمانۂ عمر وفا لبریز ہے

تو ہی سفر میں پاس ہے تو ہی حضر میں پاس ہے
تو ہی جنوں کا آسرا تو ہی سکوں کی آس ہے

واہ رے شانِ یادِ ذات واہ رے اعتمادِ ذات
غم ہے نہ اب ملال ہے ڈر ہے نہ اب ہراس ہے

وہم و قیاس کے سوا حاصلِ ہوش کچھ نہیں
فہم کی ابتدا ہے وہم عقل کی حد قیاس ہے

ہائے وہ تیرے ذکر میں یہ بھی ہے آرزو کہ کاش
کوئی کہے کہ بزمِ ناز تجھ بن نہیں اداس ہے

چل تو رہے ہیں سب مگر ہے کوئی منزل آشنا
مدعیانِ آرزو دل بھی کسی کے پاس ہے

جو ہے شہیدِ انتظار تجھ سے تیرا امیدوار
زیست بھی اس کی زیست ہے موت بھی اس کی یاس ہے

حسنِ ستم نواز کی ایک نگاہِ غم نواز
آخرِ ہزار صبر ہے نازشِ صد سپاس ہے

ترکِ خودی ہے ہوشِ عشق ترکِ خودی ہے جوشِ عشق
خود نہ شناس و خود شناس جو ہے خدا شناس ہے

فانیؔ اس انقلاب سے وحشتِ عشق کی پناہ
آہ وہ بزمِ دل جہاں آج انجمن اداس ہے

○

ذرہ ذرہ تربتِ فانیؔ کا شیون جوش ہے
اس صفِ ماتم میں اک شمعِ لحد خاموش ہے

پھیرے محبت کی جانب سے نگاہ التفات
سینکڑوں شکووں کے نغمے ہیں لب خاموش ہے

وصل ہو یا ہجر دونوں ہیں مرے مشرب میں کفر
شوق وحدت آشنا بیگانہ آغوش ہے

طور تو ہے رب ارنی کہنے والا چاہیے
لن ترانی ہے مگر نا آشنائے گوش ہے

اک طلسم قبض ہے سینے میں سوز دل کی ذات
بے تکلف ہر نفس اک شعلۂ خس پوش ہے

راز آزادی فقط تیرے اسیروں پر کھلا ہے
جو ترے قدموں پہ سر ہے بے نیاز دوش ہے

زندگی خود کیا ہے فانی یہ تو کیا کہیے مگر
موت کہتے ہیں جسے وہ زندگی کا ہوش ہے

گردش ایام فانی شرح دور شام ہے
صبح کہتے ہیں جسے وہ شام کا پیغام ہے

عہد پاک عشق میں کل تک ہوس گمنام تھی
آج اس دور ہوس میں عاشقی بدنام ہے

آہ اس معمورۂ عالم کی ویرانی نہ پوچھ
ہم ہیں تیری یاد ہے آگے خدا کا نام ہے

آنکھ پھر بھی منتظر ہے دل ہے پھر بھی مضطرب
خاص ہے تیری تمنا اور تماشا عام ہے

وعدۂ معلوم کا فانی کہاں تک انتظار
زندگی کا موت سے پہلے بھی کچھ انجام ہے

○

عیش جہاں باعث نشاط نہیں ہے — خندۂ تصویر انبساط نہیں ہے
گریہ کسے آداب کے خواہاں ہیں کس کو — ہائے کہ آب تاب احتیاط نہیں ہے
روح کو کیوں تن سے اختلاط ہے باقی — دہر ہیں اسرار ہم اختلاط نہیں ہے
طاقت دل دے چکی جواب پہ اب تک — قوت غم رو بہ انحطاط نہیں ہے
ان کی جفا میں بھی اب وفا کا نہیں رنگ — غیر سے بھی اب وہ ارتباط نہیں ہے

داغ باندازۂ جگر نہیں فانی
نقش باندازۂ بساط نہیں ہے

○

اب لب پہ وہ ہنگامۂ فریاد نہیں ہے — اللہ رے تری یاد کہ کچھ یاد نہیں ہے
آتی ہے صدا سوئے لحد ان کی گلی سے — شاید مری امید ابھی برباد نہیں ہے
اللہ بچائے اثر ضبط سے ان کو — بیداد تو ہے شکوۂ بیداد نہیں ہے
دل خوگر اندوہ ہے کیا وصل سے خوش ہو — ہر چند کہ ناشاد نہیں شاد نہیں ہے
اپنی ہی بدولت ہے نشیمن کی خرابی — منت کش بیدادی صیاد نہیں ہے
آمادۂ فریاد رسی ہے وہ ستمگر — فریاد کہ اب طاقت فریاد نہیں ہے

دنیا میں دیارِ دلِ فانی کے سوا ہائے
کوئی بھی وہ بستی ہے جو آباد نہیں ہے

○

نصیب ہو بھی تو کیا لطفِ وصلِ یار میں ہے
سوائے عیش سو نقدیرِ انتظار میں ہے

فلک نے یوں تو جو چاہا کیا ستم تو یہ ہے
شمارِ دل بھی ستم ہائے بے شمار میں ہے

قضا پہ اب ہے مری زندگی کا دار و مدار
سو وہ بھی ان کی اداؤں کے اختیار میں ہے

عزیز خاطرِ فطرت ہے جان عبرت ہے
ہر ایک ذرہ جو اس عالمِ غبار میں ہے

سرشتِ برق و شرر غیرتِ خدا نگر ہے
وہ اضطراب کہ جانِ امیدوار میں ہے

گناہگار کی حالت ہے رحم کے قابل
غریب کشمکشِ جبر و اختیار میں ہے

حریفِ سوزِ نہاں تو نہیں مگر پھر بھی
بلا کی آگ اس آہِ شرارہ بار میں ہے

ہماری لاش مرقع ہے بے قراری کا
اک اضطراب کی صورت ابھی اس قرار میں ہے

چمن سے رخصتِ فانی قریب ہے شاید
کچھ اب کے بوئے کفن دامنِ بہار میں ہے

○

وفا بیگانۂ رسمِ بیاں ہے
خموشی اہلِ دل کی داستاں ہے

مرا دل ہے کسی کی یاد کا نام!
محبت میری ہستی کا نشاں ہے

تماشا چاہیے تابِ نظر دے
نگاہِ شوق ہے اور رائیگاں ہے

مسلم ہے پرسشِ بیمار لیکن!
وہ شانِ چارہ فرمائی کہاں ہے

ترا نقشِ قدم ہے ذرہ ذرہ
زمیں کہتے ہیں جس کو آسماں ہے

بچیگی نہ دل کی پامالی کہاں تک
بجلی کارواں در کارواں ہے

مجھی پر ہے جفا ہی چشم بد دور
خدا رکھے وہ مجھ پر مہرباں ہے

پھر اب منظور ہے ہنگامہ برق
پھر اب قصد بنائے آشیاں ہے

وہ دل کی آڑ میں رہتے ہیں فانی
تمنا میرے ان کے درمیاں ہے

○

جینے کی امید نہ مرنے کا یقیں ہے
اب دل کا یہ عالم ہے کہ دنیا ہے نہ دیں ہے

گم ہی رہ تسلیم میں طالب بھی طلب بھی
سجدہ ہی بدیل ہے سجدہ ہی جبیں ہے

کچھ مظہر باطن ہوں تو کچھ محرم ظاہر
میری ہی وہ ہستی ہے کہ ہے اور نہیں ہے

ایذا کے سوا لذت ایذا بھی ملے گی!
کیوں جلوہ گہ ہوش یہاں دل بھی کہیں ہے

یا نیز بس سہی حسرت موت ہوں فانی
کس منہ سے کہوں دل میں تمنا ہی نہیں ہے

○

ساقی یہ ابھی حاصل مے خانہ نہیں ہے
پیمانہ بہ اندازہ پیمانہ نہیں ہے

تم سے بھی ہو آگاہ پھر اپنی بھی خبر ہو
دیوانہ نہ تنہا اس کا کوئی دیوانہ نہیں ہے

جل جانے کے انداز کوئی شمع سے سیکھے
پروانہ ہے اور کہنے کو پروانہ نہیں ہے

کہتے ہو کہ دل چپ ہے روداد محبت
افسانہ سمجھتے ہو افسانہ نہیں ہے

کیوں آتے یہاں کوئی تمنا ہے تو کہتے
یہ کعبہ دل ہے کوئی بت خانہ نہیں ہے

اجڑا ہے تو اب یہ کبھی آباد نہ ہو گا
میرا دل برباد ہے ویرانہ نہیں ہے

رونے کے بھی آداب ہوا کرتے ہیں فانی
یہ ان کی گلی ہے ترا غم خانہ نہیں ہے

ابتدائے عشق ہے لطف شباب آنے کو ہے !
صبر رخصت ہو رہا ہے اضطراب آنے کو ہے

قبر پر کس شان سے وہ بے نقاب آنے کو ہے !
آفتاب صبح محشر ہم رکاب آنے کو ہے

مجھ تک پھر اس محفل میں جام شراب آنے کو ہے
عمر رفتہ پلٹ آئی ہے شباب آنے کو ہے

ہائے کیسی کشمکش ہے یاس بھی ہے آس بھی !
دم نکل جانے کو خط کا جواب آنے کو ہے

خط کے پرزے نامہ بر کی لاش کے ہمراہ ہیں
کس ڈھٹائی سے مرے خط کا جواب آنے کو ہے

خواب دیکھا ہے کہ میرا نامہ بر مارا گیا
کیوں خدا کیا اب مرے خط کا جواب آنے کو ہے

نا امیدی موت سے کہتی ہے اپنا کام کر
آس کہتی ہے مرے خط کا جواب آنے کو ہے

بھر کے ساقی جام مے اک اور لا اور جلد لا
ان نشیلی انکھڑیوں میں پھر حجاب آنے کو ہے

خانۂ تصویر میں آنے کو ہے تصویر یار
آئینے میں قدِ آدم آفتاب آنے کو ہے

پھر خالی ہونے والے ہیں مرے قاتل کے ہاتھ
پھر زبانِ تیغ پر رنگِ شہاب آنے کو ہے

اب کے سوئے کیا اٹھیں گے فتنۂ محشر سے ہم
صبح محشر کے قریب آنکھوں میں خواب آنے کو ہے

گدگداتا ہے تصور چٹکیاں لیتا ہے درد
کیا کسی بے خواب کی آنکھوں میں خواب آنے کو ہے

دیکھیے موت آئے فانی یا کوئی فتنہ اٹھے!
میرے قابو میں دل بے صبر و تاب آنے کو ہے

○

ہر چند کچھ اور ہے حقیقت — کہنے کو جہاں میں نہیں وہ تو ہے
کیا سمجھیے سیر باغ عالم — گل پردہ نشین رنگ و بو ہے
اللہ رے تیری فسوں نوازی — جو دل ہے طلسم آرزو ہے

○

درد کی دنیا بدل جانے کو ہے — دل محبت میں نکل جانے کو ہے
پھر ترا غم کارفرما چاہیے — پھر طبیعت کچھ سنبھل جانے کو ہے
منتظر کرتا ہوں اب روداد شوق — آفتاب حشر ڈھل جانے کو ہے
کیا تری چشم فسوں گر کہہ گئی — پھر تری حسرت مچل جانے کو ہے

فانی اسرار غم فردا نہ پوچھ
وعدۂ فردا بھی ٹل جانے کو ہے

○

شکوہ کیا کیجیے نگاہ یار خود دیدہ ہے!
کیا تماشا ہے کہ دل کا چور بھی دزدیدہ ہے

اس کی ہستی سے جدا میرا وجود اللہ رے وہم
بلبلہ ہے عین دریا پھر بھی دامن چیدہ ہے

مائل پرواز ہے مقتل میں خون گرم دل
آتش سیال تھا اب شعلہ پالیدہ ہے

○

وقت اتنا کب بقدر فرصت یک سجدہ ہے
ہم ہیں اور عمر ابد اور حسرت یک سجدہ ہے

تیری بزم ناز میں اس دل کو دیکھا چاہیے
جو ز سرتاپا خراب رخصت یک سجدہ ہے

وجہ پامالی ہی شاید عذر گستاخی بھی ہو
سنگ در اور سر میں باہم نسبت یک سجدہ ہے

حاصل خلقت ہے تعبیر جبیں سجدہ ریز
شان تکوین دو عالم نقش یک سجدہ ہے

جان مضطر ہے شعلہ زار سوز فرقت کیا کہا
اس جہنم کو بس جنت یک سجدہ ہے

قطرہ دریا سے آشنائی ہے
کیا تری شان کبریائی ہے

تیری مرضی جو دیکھ پائی ہے
خلش درد کی بن آئی ہے

وہم کو بھی ترا نشاں نہ ملا!
نارسائی سی نارسائی ہے

کون دل ہے جو درد مند نہیں
کیا ترے درد کی خدائی ہے

جلوۂ یار کا بھکاری ہوں!
شش جہت کاسۂ گدائی ہے

موت آتی ہے تم نہ آؤ گے
تم نہ آئے تو موت آئی ہے

بچھ گئے راہ یار میں کانٹے
کس کو عذر برہنہ پائی ہے

ترک امید بس کی بات نہیں
ورنہ امید کب بر آئی ہے

مژدۂ جنت وصال ہے موت
زندگی محشر جدائی ہے

آرزو پھر ہے درپئے تدبیر
سعئ ناکام کی دہائی ہے

موت ہی ساتھ دے تو دے فانی
عمر کو عذر بے وفائی ہے

محشر میں عذر قتل بھی ہے خوں بہا بھی ہے
وہ اک نگاہ جس میں گلہ بھی حیا بھی ہے

اس درد کا علاج اجل کے سوا بھی ہے
کیوں چارہ ساز تجھ کو امید شفا بھی ہے

جب عشق ابتدا ہی نہیں انتہا بھی ہے
دل میری زندگی ہی نہیں قضا بھی ہے

اچھا یقین نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
ایک تو ہی ناخدا نہیں ظالم خدا بھی ہے

اے حد ضبط درد نہ کہہ دل سے اب دریغ
اک آہ بے صدا کہ دعا بھی دوا بھی ہے

سامان صد نگاہ ہے ہر ذرہ خاک کا
لیکن یہ دیکھنا ہے کوئی دیکھتا بھی ہے

ہاں دل میں درد بھی ہے زباں بھی نہیں ہے بند
کس سے کہیں کوئی دل درد آشنا بھی ہے

دل اور حکم ضبط سے یارائے انحراف
ہمدرد ہے یہی کوئی دشمن اہل وفا بھی ہے

فانی ہے دل کے ساتھ تقاضہ ہے جان کا
ظالم اس ابتدا ہے کوئی انتہا بھی ہے

○

دنیا مری بلا جانے مہنگی ہے یا سستی ہے
موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے

آبادی بھی دیکھی ہے ویرانے بھی دیکھے ہیں
جو اجڑے اور پھر نہ بسے دل وہ نرالی بستی ہے

خود جو نہ ہونے کا ہو عدم کسی کو ہونا کہتے ہیں
نیست نہ ہو تو ہست نہیں یہ ہستی کیا ہستی ہے

عجزِ گناہ کے دم تک ہیں عصمتِ کامل کے جلوے
پستی ہے تو بلندی ہے رازِ بلندی پستی ہے

جان سی شے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے بھی
آگے مرضی گاہک کی ان داموں تو سستی ہے

وحشت دل سے پھرنا ہے اپنے خدا سے پھر جانا
دیوانے یہ ہوش نہیں ہے یہ تو ہوش پرستی ہے

جگ سونا ہے تیرے بغیر آنکھوں کا کیا حال ہوا
جب بھی دنیا بستی تھی اب بھی دنیا بستی ہے

آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ امڈا آتا ہے
دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے

دل کا اجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں بستے بستے بستی ہے

فانی جس میں آنسو کیا دل کے لہو کا کال نہ تھا
ہائے وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قیدِ حیات
مگر اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

اثرِ عشق تغافل بھی ہے بیداد بھی ہے
وہی تقصیر ہے تعزیر بدل جاتی ہے

کہتے کہتے مرا افسانہ گلہ ہوتا ہے
دیکھتے دیکھتے تقدیر بدل جاتی ہے

روز ہے درد محبت کا نرالا انداز
روز دل میں تری تصویر بدل جاتی ہے

گھر میں رہتا ہے تیرے دم سے اجالا سا کچھ اور — مہرِ خورشید کی تنویر بدل جاتی ہے
غم نصیبوں ہی سے فانی غمِ دنیا ہو کہ عشق
دل کی تقدیر سے تدبیر بدل جاتی ہے

طبیعت رفتہ رفتہ غم کی خوگر ہوتی جاتی ہے
جفا کم کم جفا اب روح پرور ہوتی جاتی ہے

مری ہر معصیت ہے مطلعِ انوارِ صد رحمت
فضائے دل گناہوں سے منور ہوتی جاتی ہے

خدا چاہے تو اب ایماں پرستی کا رواج اٹھے
وہ چشمِ سحر پرور تسخیر کافر ہوتی جاتی ہے

محبت کا تعلق کا دیکھیے انجام کیا ٹھہرے
تکلف برطرف ہر سانس نشتر ہوتی جاتی ہے

زباں حرفِ دعا سے تنگ ہے کیوں دعا مانگو
مری تدبیر بھی میرا مقدر ہوتی جاتی ہے

جبیں حرفِ سجدہ سے جبیں معلوم ہوتی ہے!
طبیعت بے نیازِ خودی معلوم ہوتی ہے

نگاہ ناز و سوزِ عشق دونوں ایک ہیں لیکن
کبھی ہوتی ہے یہ بجلی کبھی معلوم ہوتی ہے

مٹانا ہی چاہتا ہے امتیازِ صبر و بے تابی
تمنا اب تمنا آفریں معلوم ہوتی ہے

نہیں معلوم راہِ شوق میں بھی کوئی منزل ہے
جہاں تھک کر نظر ٹھہرے وہیں معلوم ہوتی ہے

بحمد اللہ کہ تاثیرِ فغاں بروئے کار آئی
کہ اب ہر آہ آہِ واپسیں معلوم ہوتی ہے

لہو روتا ہوں اس انجام سے غافل کی حالت پر
محبت جس کے دل میں جاگزیں معلوم ہوتی ہے

عجب عالم ہے موجِ برق کے پہلو میں بادل کا
تری اٹھتی ہوئی سی آستیں معلوم ہوتی ہے

مری ہستی کہ ہے بھی اور نہیں بھی ہے خدا رکھے
ترے پیمانِ باطل کا یقیں معلوم ہوتی ہے

زمینِ حشر فانی کیا قیامت ہے معاذ اللہ
مجھے اپنے وطن کی یہ زمیں معلوم ہوتی ہے

○

امیدِ التفات کو رسوا نہ کیجیے — لازم نہیں کہ خونِ تمنا نہ کیجیے
شرمندۂ وہم رشک سے اتنا نہ کیجیے — آئینہ دیکھ کر مجھے دیکھا نہ کیجیے
اندیشۂ عقبیٰ خرابِ لحد کا نہ کیجیے — ہنگامۂ نزع وعدۂ فردا نہ کیجیے
دیکھو جو وقتِ پرسشِ جاناں بھی جھک گیا — فانی تو ہے کہ عرضِ تمنا نہ کیجیے

سرکار پاس وضع جفا چاہتا ہوں میں
یہ بھی اگر وفا ہے تو اچھا نہ کیجیے
کیا فرض تھی نگاہ مکرر ازل کے بعد
یہ جان ہے یہ دل ہے تقاضا نہ کیجیے

فانی بلائے مرگ سے غم کیجیے غلط
اب جستجوئے راحت دنیا نہ کیجیے!

○

عمر بھر بیداد حسن امتحاں دیکھا کیے
مہرباں سمجھا کیے نامہرباں دیکھا کیے
ہم تمہیں دیکھا کیے اور رائگاں دیکھا کیے
اک حجاب بے حجابی درمیاں دیکھا کیے
فتنۂ دوراں کی تہ میں ایک فتنہ اور تھا
آسمان اک اور زیر آسماں دیکھا کیے
حسرت ان محروم نصیبوں پر جو بر ہوش آئے بھی
خواب آغوش قفس میں آشیاں دیکھا کیے
جب قفس میں موسم گل کا تصور بندھ گیا
ہر طرف اجڑا ہوا اک آشیاں دیکھا کیے
عشق کو تاثیر ضبط شوق میں سمجھا کیا
اور مری چپ کا وہ انداز بیاں دیکھا کیے
غم زدوں سے مژدۂ نظارہ کا حاصل نہ پوچھ
بزم دشمن میں نگاہ رازداں دیکھا کیے

اٹھ گیا پہلی نگاہوں ہی میں حجاب وعشق
ہر نظر کہتی ہے کیا کہیے کہاں دیکھا کیے
موت کی حسرت بھی کیا شے ہے کہ فانیؔ عمر بھر
ہم سنبھلتے ہر بلا تے ناگہاں دیکھا کیے!

○

کارواں گزرا کیا ہم رہ گزر دیکھا کیے
ہر قدم پر نقش پائے راہبر دیکھا کیے
ترک بیداد آہ اک تمہید تھی بیداد کی!
دل جلا کر میرے نالوں کا اثر دیکھا کیے
دردمندانِ وفا کی ہائے رے مجبوریاں
دردِ دل دیکھا نہ جاتا تھا مگر دیکھا کیے
یاس جب چھائی امیدیں ہاتھ مل کر رہ گئیں
دل کی نبضیں چھٹ گئیں اور چارہ گر دیکھا کیے
رخ مری جانب نگاہ لطف دشمن کی طرف
یوں ادھر دیکھا کیے یا ادھر دیکھا کیے
تو کہاں تھی اے اجل اے نامرادوں کی مراد
مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کیے
زیست تھی فانیؔ بہ قدرِ فرصتِ تمہیدِ شوق
عمر بھر ہم بہرِ تو نورِ بشر دیکھا کیے

دشمن جاں تھے تو جانِ مدعا کیوں ہو گئے
تم کسی کی زندگی کا آسرا کیوں ہو گئے

کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبور خاموشی کا ہائے
وہ جنازے سے ہمارا کہنا خفا کیوں ہو گئے

تم سے دل کی بات کہنا آئینہ ہے آپ سے پوچھ
تیرے صورت آشنا درد آشنا کیوں ہو گئے

کیا تمہیں اندازۂ دردِ محبت ہو گیا
چشم بد دور اب ستم حد سے سوا کیوں ہو گئے

دل کی صورت آپ کے پہلو سے تمہیں جانا نہ تھا
اور گئے بھی تھے تو جانِ بے وفا کیوں ہو گئے

کیا ستانا چاہتے ہیں اے فریبِ التفات
خیر ہے سب آج مطلب آشنا کیوں ہو گئے

اور فانی بڑھ گئی بیتابیِ دل بعدِ مرگ
کیا کہیں مر کر گرفتارِ بلا کیوں ہو گئے

○

اک فسانہ سن گئے اک کہہ گئے — ہم جو رویا مسکرا کر رہ گئے
یا تو ہے محتاج ہیں اے خونِ دل — یا اٹھیں آنکھوں سے دریا بہہ گئے
موت ان کا منہ ہی تکتی رہ گئی — جو تری فرقت کے صدمے سہہ گئے

تو سلامت ہے تو ہم اے دردِ دل مر ہی جائیں گے تو جینے رہ گئے
پھر کسی کی یاد نے تڑپا دیا پھر کلیجہ تھام کر ہم رہ گئے
اٹھ گئے دنیا سے تاثیؔ اہلِ ذوق
ایک ہم مرنے کو زندہ رہ گئے

پھر یار ہاتھے دل پہ چھڑک دیجیے نمک
پھر کوئی چھیڑ زخم جگر سے نکال لیے
غم وہ بلا نہیں جسے دم دے کے ٹال دوں
سودا یہ وہ نہیں جسے سر سے نکال لیے
تاکید ضبط ہے نہ داماں نہ روئیے
مر جائیے نہ آہ جگر سے نکالیے

زندگی ہر خلش ہے یادِ جاناں کے لیے
ہر نفس اک آہ ہے اس رنج پنہاں کیلیے
اشک رنگیں کے سوا ہے خونِ دل بھی اندرِ دست
ان میں جو ہر دو کا ہو تہ میں داماں کے لیے
موج کیا گرداب کیسا کیوں کسی کا نام لوں
خود سفینہ ہی مرادِ غوث ہے طوفاں کیلیے

کم ہے ذرے سے بھی یہ سارا نظام کائنات
دل کی وسعت چاہیے تھی چشم حیراں کے لیے

ایک مرگ عاشقی اور لاکھ سامان حیات
لاکھ غم تھے اک حیات مرگ ساماں کے لیے

پھر ہوا گور غریباں میں بگولوں کا ہجوم
خاک دل اٹھتی ہے تنظیم بیاباں کے لیے

پھر مذاق اہل دانش چاہتا ہے انقلاب
پھر مری وحشت نے بوسے باب زنداں کے لیے

دل کی یہ شوریدگی شب ہائے غم اتنی دراز
اہتمام اتنے تہی زلف پریشاں کے لیے

دین و دل فانی گنواتے بھی تو ناداں اس طرح
دشمن ایماں کی خاطر دشمن جاں کے لیے

ذوق وحشت نہ یہ نہ زنداں یہ زنداں چاہیے
جب گلستاں چاہیے تھا اب بیاباں چاہیے

دل لہو کر دے وہ ضبط رنج پنہاں چاہیے
ہر لہو کی بوند لیکن رہن طوفاں چاہیے

جوش جذب آرزو بے قید امکاں چاہیے
ہجر جاناں کیا بلا ہے یاد جاناں چاہیے

وہ تیری عہدِ کرم کی فتنہ سامانی سہی
میری بربادی کو آخر کوئی ساماں چاہیے

○

اس نورِ مجسم کے افسانے کو کیا کہیے — ہے شمع بھی پروانہ، پروانے کو کیا کہیے
ہر در سے ترے طالب ناکام پلٹ آئے — کعبے ہی سے سناٹا بت خانہ کو کیا کہیے
کچھ کھیل نہ تھا یوں بھی پروانے کا جل بجھنا — جل کر نہ بجھے ایسے پروانے کو کیا کہیے
آغاز بھی تو جس کا انجام بھی تو جس کا — اس دردِ محبت کے افسانے کو کیا کہیے
آبادی کی آبادی ویرانے کا ویرانہ — ارمان بھرے دل کے کاشانے کو کیا کہیے
اجڑی ہوئی آنکھوں میں رونق تھی دم کھٹکے — ویران ہے ہر بستی ویرانے کو کیا کہیے
کس نے اسے دیکھا ہے اے حسرتِ نظارہ
فانی تو ہے دیوانہ دیوانے کو کیا کہیے!

○

مجبورِ شکایت ہوں ناشکر کو کیا کہیے — تدبیر مقدر ہی تقدیر کو کیا کہیے
فردوس بداماں ہے ہر نقشِ خیال ان کا — یہ شانِ تصور ہے تصویر کو کیا کہیے
وابستۂ صد حسرت بے واسطۂ دل ہوں — اپنی ہی میں زنداں ہوں زنجیر کو کیا کہیے
وہ برق کی یورش ہے ہر شاخ میں لرزش ہے — ایسے میں نشیمن کی تعمیر کو کیا کہیے
سنتے ہیں حجاب ان کا عرفانِ تمنا ہے — اب حرفِ تمنا کی تعبیر کو کیا کہیے
یارب تری رحمت سے مایوس نہیں فانی
لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کہیے

کہتے ہیں ذرا پھر سے افسانۂ غم کہیے — اس حسن تجاہل کو کس طرح کرم کہیے

غم اس کی امانت ہے انعام محبت ہے — بیگانگیِ غم کو محرومیِ غم کہیے !

تھوڑی بھی بہت ہوگی فرصت ہی نہیں لینا — یہ دل کی کہانی ہے کیا کہیے جو کم کہیے

عہدِ جوانی اور یہ پھر دل میں ان کی محبت کیا کہیے !
دیوانے کا خواب اور وہ بھی خوابِ قیامت کیا کہیے
حرفِ تمنا بے معنی سا نقشِ وفا سو دھندلا سا
دل حقیقت کچھ بھی نہیں ہے دل کی حقیقت کیا کہیے
حشر بھی گزرا حشر میں بھی یہ سوچ کے ہم نے کچھ نہ کہا
غم کی حکایت کون سنے گا غم کی حکایت کیا کہیے
وہ نہ سہی مغرور مگر کچھ ہمتِ عرضِ حال تو ہو
شکوہ کیسے ہو بن نہیں پڑتا حرفِ شکایت کیا کہیے
ایک غلط اندازِ نظر سے دل کی تباہی سہل نہ تھی
درد سے مل کر تو نے لٹا دی صبر کی دولت کیا کہیے
مرگِ محبت سے فانی تکمیلِ وفا ہم کیا کہتے !
ہم نے جینے سے ہی پائی آہنگ فرصت کیا کہیے

آنکھ بھر کی یہ چھینی یہ بیتابی کیا کہیے — حد سے گزری دل کی خرابی دل کی خرابی کیا کہیے

تم کیا جانو کیا شے ہے طوفانِ سرشکِ خونیں کا!
تم نے چھلکتے ہی نہیں دیکھی دل کی گلابی کیا کہیے

ہائے وہ پہلی نظروں میں ہر موج کا ساحل بن جانا
بحرِ بے پایانِ محبت کی پایابی کیا کہیے

اگلے برس کے پھولوں کا کیا حشر انہیں معلوم نہیں
کلیوں کا یہ طرزِ تبسم یہ شادابی کیا کہیے

ہوش جنہیں دل میں کر آیا ان کی تڑپ کا کیا کہنا
غم نے جنہیں بیدار کیا ان کی بے خوابی کیا کہیے

کتنے فتنے جمع کیے ہیں ان کی ایک جدائی نے
چال قیامت کافر فطرت آنکھ شرابی کیا کہیے

خاکِ وطن ہی راس نہ آئی غربت تو پھر غربت ہے
فانیؔ اپنی خانہ بدوشی خانہ خرابی کیا کہیے!

غزلیاتِ فارسی

ساقی خمے ز بادۂ شیراز چہ جام است
زخمے است مرا در دل و مرہم نہ تمام است

خونم ہمہ انگار کہ غافل نہ شناسم
دانم کہ اثر چیست ندانم کہ کدام است

از جلوہ نیاں لذتِ عیشِ نگہے پرس
بے جلوہ نیاں فرصتِ نظارہ حرام است

دم در کشش و دل خون کن و ہر قطرہ خون گاہ
این نالہ نجیر کہ ماہم کہ این شیوۂ خام است

در مسلکِ ما خوش بہ خضرِ طریق است
از میکدہ تا کعبہ کہ بیش دو سہ گام است

نازم چمنے را کہ نیازم بہ قفس است — ہر غنچہ کہ دل می کشدم حلقۂ دام است

فانی ز حیات من آشفتہ چہ پرسند
مرگیست کہ از ہستی جاوید پیام است

○

ز حسن و عشق چہ گویند داستان من است — غم تو جان من است و وفا جہان من است
شرار برق کجائی کہ گوشۂ قفسم — بہ التفات تو آرزوی آشیان من است
نیافتم ز حریم تو نشان و نوبت کار — بہ قبلہ رسید و ہمان سنگ آستان من است
ز خود خویش گذشتن بجز خوشیم نبود — ہر آنچہ فشانی کہ بہ داغش ہم نشان من است
ز لطف دوست مرا نیم نگاہ بس است — متاع خلد نخواہم کہ رایگان من است
بہ غربتم کہ بہ ہر قدم وطن پیداست — بہر زمین کہ شدم زیر آسمان من است

بہ رنج خستگیم بخش و از گناہ مپرس
بگو کہ فانی عاصی ز خستگان من است

○

خاک پائے بندگان درگہ عشقیم ما — ہر کجا صید است در دام است صیاد من است
می ندانم تا بہ محشر اعتبار سجدہ چیست — این قدر دانم کہ ہیچ است جبین نیاز من است

○

افشاندن جان جز بحضور تو روا نیست
در عہد ہجر تو آئین فنا نیست!

نازم بجمال تو که براق است و بلا نیست
نازم به غم عشق که درد است و دوا نیست

غیب است شهودم ز دیار دگر استم!
عالم عدم ماست که از عالم ما نیست

کونین بما عرضه نمودند و ندیدم!
آغوش فضائے که به سودائے تو آ نیست

ناخواسته جان بخشی و نا داده ستانی!
فارغ ز غم بیم و حاجت به دعا نیست

بگزار قفس را که به پرواز در آید!
دارم سخنے با گل و نا هم به صبا نیست

خواهان گهرم نیست به بازار کریم است
فانی به در ناصح فرماست گدا نیست

نور نه صبح وصال بخت سیاهم ربود
جلوهٔ ناگاه دوست تاب نگاهم ربود

برق جمالش ز دل صبر بتاراج بود
آنچه از و بانماند شعلهٔ آهم ربود

شکوهٔ بختم چه است کاهم و لمح چون نهد
ناشده شام وصال هم بگاهم ربود

حرم راز است و هم رفته را ناست دل
گاه تبه بودم و هستی گاهم ربود

خیر عمل را مسنج باز به شیم به بخشش!
عزم حرم داشتم دیر ز راهم ربود

از دل فانی چه گفت گدا برده ایم
باز ز جان گفتمش گفت که خواهم ربود

فتنه عشق بدلها سر زد
حسن عالم به تماشا سر زد!

طالعم گردش افلاک بسوخت
اختر ما ره صد اختر زد!

غم او خون دل از اشکم ریخت
نشتر آورد و رگ گوهر زد!

عندلیب که نوایش دادند!
به هوای چمن ما پر زد!

مغفرت حیله تقاضائی کرد
جوشش قطره به چشمم تر زد!

شهره عشق که شعیبش نامند
زلفم جست و به جانها در زد!

فانی از دیر و حرمم هم بگسست
دوشش دیدم که در دیگر زد!

یاد خاطر شادم تلخی غم از من دوش
حرف عیش ار یادم شوخی دم از من بپرس

خامان را زبان هستم لوح را انشا هستم
حرف کن فکان هستم راز عالم از من بپرس

محرم شاهم من نکته دان عالم من!
روشنی هم از من جو عقده ها هم از من بپرس

نعمتی ست عشق اما نعمتی بی پایانی
نعمتی است بی پایان لذت غم از من بپرس

حسن بی تماشا را عشق با شوقی دادی
چشم بی تماشا را اشک ها هم از من بپرس

بی خبر از تو چو اغیار نه ساخته ام
سخنی ساخته اند و سخنی ساخته ام

[illegible] تو عشقی است که از یاد فرو
صحنی ساخته ام هم سخنی ساخته ام

در ہر خلوت گوا اسرار پنہانیست دلے / از پے وضع نظر انجمنے ساختہ ام
نقش ہا بستہ ام از خون شہیدان چمن / ورق لالہ ز خونیں نخچے ساختہ ام
گہنے کردہ ام و عذر گنہ می بالیست / حیلہ پرداختہ ام رہزنے ساختہ ام
دل بہ ایمائے نظر جلوۂ معنی می خواست / کردہ ام طرح زمین وزنے ساختہ ام

ایں خطا نیست کہ عفوم نکنندش فانی!
کہ من از خاک بدایوں وطنے ساختہ ام

○

بہ وفائے تو رشک شرح عذرے نوشتہ ایم / رازیست آں فتنہ کہ آبے نوشتہ ایم
ایں فتنہ جمال کہ گویند عالمے ست / فصلے ز اعتبار حجاب نوشتہ ایم
یارب بہ نامۂ محکم خوزدہ مگیر / فرہنگ حرف ہوشی خواب نوشتہ ایم
مہر وفا بہ لب زدم و دیدہ دوختم / آداب انتظار جوابے نوشتہ ایم
از راحت زمانہ جراحت عبارتست / آب نوشتہ اند و سرابے نوشتہ ایم
داغ بہ دل بپردم و دوزخ بہ جان چراغ / تاریخ روزگار شبابے نوشتہ ایم

فانی دریں صحیفۂ امکاں بنام تو
ہر جا کہ ہست خانہ خرابے نوشتہ ایم

○

فانی

دل را بہ نیم جنبش مژگاں فروختیم / دیوانہ مغتنمت کہ از ارزاں فروختیم
از ما حدیث گہر بہ بازار گل مپرس / جیبے کہ داشتیم بدامان فروختیم
از آں ماست بے سروسامانیے کہ ہست / ساماں بہ عشق بے سروساماں فروختیم

١٧١

حیف است در فراق تو مسرور زیستن
آوخ به یاد چشم تو مخمور زیستن

از بخت واژگون به دل دیده ام بلا
با مژده وصال تو مهجور زیستن

انصاف آنچه رفت از ما بود که بود!
مقدور عارفان تو مجبور زیستن

درها کشوده ای به من از فقر و از غنا
ما هم نشاط مردن و رنجور زیستن

کج کن کلاه خسروی دل به غم عشق
سهل است همچو قیصر و فغفور زیستن

نازم به تکیه کردن فانی به لطف دوست
ای وای بر مردن و مغرور زیستن

○

یارب صلهٔ سنج فراوانم کو!
تعبیر حیات خواب سامانم کو

کو جلوه که جان نذر تماشای تو کنم
قربان تو عید عید قربانم کو

○

دلے دارم به خون غلطیده از جور بے نامے
خود آرائے خود بینے خداوندے خود کامے

به خونش صبح ما سینا به فکرش شام ما ایمن
مرا صبحیست هم شامے خوشا صبحے خوشا شامے

به عنوان قفس برگے ز نسیمم می رسد اما!
به هر فرمان نسیمم می رسد از دوست پیغامے

قفس بر گریه گو تا آشنای آشیانستم
به مرغان چمن ارزد صلائے دانه و دامے

خراب لطف دشمن کاهیم آه از حال ما فانی
که هم وابسته لطفش اجل موقوف هنگامے

تضمین

بغزل امیر مینائی مرحوم

اشکوں سے جو منہ کو دھو رہے ہیں
قسمت کو اپنی رو رہے ہیں!
اوقات وصال کھو رہے ہیں
ہم لوٹتے ہیں وہ سو رہے ہیں
کیا ناز و نیاز ہو رہے ہیں

شب ہجر میں جان کھو رہے ہیں
وہ عیش کی نیند سو رہے ہیں
چلنے کو ہیں چار دو رہے ہیں!
کیا رنگ جہاں میں ہو رہے ہیں
دو ہنستے ہیں چار رو رہے ہیں!

کشتی جن سے امید وہ ستمگر ہی
مشکل ہے اب ان سے جاں بری بھی
اب کیجیے شکایت آہ کس کی
فریاد کہ ناخدا ہی کشتی!
کشتی کو مری ڈبو رہے ہیں!

کیا کہیے فسانہ محبت
ہے عشق جفا شعار آفت
اس خانہ خراب کی بدولت
پہونچی ہے ہماری اب یہ حالت
جو ہنستے تھے وہ بھی رو رہے ہیں

بھولیں پائیں گے کیا ستانے والے
جل جائیں گے خود جلانے والے
دکھ پائیں گے دل دکھانے والے
روئیں گے ہمیں رلانے والے

ڈوبیں گے وہ جو ڈوب رہے ہیں

عصیاں کا ہے سر پہ بار افسوس　　پر کچھ نہیں فکرِ کار افسوس
اب تک نہیں ہوشیار افسوس　　پیری میں بھی ہم ہزار افسوس

بچپن کی نیند سو رہے ہیں

گو لاکھ جفائیں ہوں ادھر سے　　نکلے نہ صدائے اف جگر سے
لازم نہیں ابر اشک برسے　　پوچھے کوئی دیدہ ہائے تر سے

کیوں نام وفا ڈبو رہے ہیں

سفاک، ستم شعار، قاتل!　　ہو کیوں نہ نباہ سخت مشکل
اول تو وہ چھین لے گئے دل　　دل چھین کے ہو گئے ہیں غافل

فتنے وہ جگا کے سو رہے ہیں

فانیؔ پہ تو خدا ہی جانے!　　کیا دل پہ گزرنے ہوں لگے صدقے
اکثر دیکھا مگر ہم نے!　　زانوں پر امیر سر کو رکھے

پھر دل گزرے کہ رو رہے ہیں

مخمس

در صنعت توشیح بہ رعایت نام محمد عظمت علی حسرت لکھنوی

مزارِ فانیِ مرحوم آج کیسا دیکھا — حبابِ ورطۂ دریا سے آشنا دیکھا
مسافر ایک سرِ منزلِ شکستہ پا دیکھا — دیارِ عمر کو معمورۂ فنا دیکھا
عجیب رنگِ طلسماتِ خاک کا دیکھا!

ظہورِ ہوش کو تمہیدِ بےخودی پایا — مآلِ غایتِ آغازِ زندگی پایا
تلاشِ عیش کو فی الجملہ گمرہی پایا — عروج ہو کہ تنزل گمِ شدنی پایا
لباسِ دہر کو فرسودۂ فنا دیکھا!

یہ کیا ہے جو نظر آتا ہے آہ کیا کہیے — حجابِ دیدۂ خودبیں و خودنما کہیے
سراب جانیے دھوکا نگاہ کا کہیے — رموزِ ہستیِ دنیا جسے بہر ملک کہیے
تو ہم نے ساری خدائی کو بے بقا دیکھا

قصائد

قصیدہ (ترکیب بند) برہلی کالج کے پرنسپل کے الہ آباد یونیورسٹی کا
فیلو بنائے جانے کی تقریب میں ۱۸۹۸ء میں لکھا گیا۔

سنتے ہیں گلشن میں پھر فصل بہار آنے کو ہے
پھر ہزار انداز سے بانگ ہزار آنے کو ہے

پھر نئی کلیاں گلابی رنگ کی کھلنے کو ہیں
آنکھ سے نرگس کی پھر ہلکا خمار آنے کو ہے

پھر کریں گی قمریاں گلشن میں کوکو ہر طرف
پھر نئی رونق پہ سرو جویبار آنے کو ہے

پھر ہرے ہو جائیں گے پژمردہ اشجار چمن
سوکھی سوکھی ڈالیوں میں برگ بار آنے کو ہے

پھر دکھانے کو ہے نرگس چشم آہوں کی پھبن
غنچہ بن کر نافہ مشک تتار آنے کو ہے

پھر قبائے سبزہ پہنیں گے جوانان چمن
کبک کہسار سے سوئے کوہسار آنے کو ہے

پھر کسی کے لب سے مل جائے گا رنگ گل
پھر چمیلی کی مہک سے بوئے یار آنے کو ہے

پھر وہی صیاد و بلبل میں رہینگی تاک جھانک
پھر تلاش گل میں گلچیں بار بار آنے کو ہے

پھر پڑینگی پتیوں پر ہلکی ہلکی بوندیاں
پھر گھٹا گھر گھر کے سوتے سبزہ زار آنے کو ہے

چوں نہ نازد باغباں بر فر بخت گلستاں
خسرو گل جلوہ آرا شد بہ تخت گلستاں

تھی دعا اپنی بھی مدت سے کہ اب کے اے خدا
موسم گل آئے گلشن میں نہ ایسے رنگ کا

اس قدر پھولوں کی کثرت ہو کہ بھر جائے چمن
اتنی کلیاں ہوں کہ تھک جائے کھلانے سے صبا

مرحبا اے بخت آپہنچی چمن میں فصل گل
فضل حق سے کر گئی تاثیر اپنی التجا

کوئی کیا جانے کہ تھی اپنی دعا سے کیا غرض
کوئی کیا سمجھے کہ مطلب فصل گل سے ہمکو کیا

شام کو گل گشت گلشن کچھ نہ تھا مد نظر
بھینی بھینی بوئے گل کا سونگھنا مقصد نہ تھا

آرزو یہ تھی کہ لائیں باغ سے چن چن کے پھول
سب ملا کر بنائیں ایک گلدستہ خوشنما

میز پر یا طاق پر رکھنے کا گلدستہ نہ ہو
جس کی سج دھج چار دن کی رنگ جس کا بے بقا

ظاہری گلدستۂ ریحان و گل مقصد نہیں
بلکہ اک گلدستۂ معنی ہے دل کا مدعا!

نذر دیں گے ہم یہ گلدستہ اگر کر لے قبول
ماہر علم و ہنر "کیسری" مہ اوج ذکا

آں کہ ذات اوست در کالج چو خور بر آسماں
چوں گہر در قعر یم چوں لعل در کان ایماں

کیوں نہ اس کالج کو فخر اپنے مقدر پر رہے
جس میں اک تجھ سا پرنسپل کرم گستر رہے

گھر لیا گھر سب کے دل میں تیری خوئے نیک نے
مدح گو تیرے ہمیشہ سب پروفیسر رہے

خلق صافی اک طرف ہے، علم دانی اک طرف
تیرا شیدا کی کوئی اسٹوڈنٹ پھر کیونکر رہے

دم میں دم باقی ہے جب تک دل سے مٹ سکتی نہیں
تیرے احسانات نقش کالحجر ہو کر رہے

منزلت فیلو کی ہو تیری نظر میں کس طرح
فخر یہ یونیورسٹی کو ہے کہ تو ممبر رہے

گر عنایت ہو نتری اوفی سے اسٹوڈنٹ پر !
وہ بھی "فیلو آف یونیورسٹی" ہو کر رہے
جام ہو جب تک انھی بزم جم کی یادگار !
آئینہ جب تک چراغ گورِ اسکندر رہے
جلئے مغرب کی طرف مشرق سے جبتک آفتاب
چرخ کے پاؤں میں جبتک رات دن چکر رہے
شوکت خورشید کا دن ہیں رہے جبتک عمل
رات میں جب تک مسلم عظمت اختر رہے
دشمنانت پائمال و سرنگوں و خوار باد!
دائماً اقبال و سال و فال نیکت یار باد

قصیدہ

در مدح بندگان اعلیٰ حضرت شمس الملت والدین سلطان العلوم حضور پر نور آصف سابع فرماں روائے دکن، و برار خلد اللہ ملکہ و سلطنت

شاہ عثمان آصف سابع امیر المومنین !
سچ تو یہ ہے آبرو ہے ملک و ملت تجھ سے ہے
تو ہے سلطان المعانی تو ہے سلطان العلوم
علم کا زینت ادب کی قدر و قیمت تجھ سے ہے

غیرتِ بغداد و رشکِ قرطبہ ہے آج کل !!
وہ دکن سارے جہاں میں جس کی شہرت تجھ سے ہے

تیرے دم سے آج بھی روشن ہے حکمت کا چراغ
آج بھی آباد بزمِ اہلِ ہمت تجھ سے ہے

گو ہماری پستیاں دنیا میں ہیں ضرب المثل
پھر بھی اپنی پستیوں میں شانِ رفعت تجھ سے ہے

حیف ان پر جو ترے دامن سے وابستہ نہیں
وہ مبارک قسمتیں ہیں جن کو نسبت تجھ سے ہے

کس کے دل میں درد ہے اربابِ علم و فضل کا
ملک میں اہلِ ہنر کی عزت تجھ سے ہے

جو ہوا چاہتی تھی کل حوادث کا شکار !
اس زباں میں اب زباں بننے کی قدرت تجھ سے ہے

اللہ اللہ یہ ترا ایثار غم خوارِ زباں !!
مختصر یہ ہے کہ آج انساں عبارت تجھ سے ہے

ہے ترا حامی خدا حامی ہے تو مخلوق کا
تو سلامت رہ کہ آن اپنی سلامت تجھ سے ہے

تو سراپا فیض ہے عالم ہے دلدادہ ترا
ایک فانی کیا زمانے کو عقیدت تجھ سے ہے

اے فلک تو ہی کامیاب سہی! — میری حالت خراب سہی
نہ سہی زندگی حریف نشاط! — میری ہر سانس اک عذاب سہی
میری نظریں بغیر ذوق نظر — میری آنکھیں بغیر خواب سہی!
سر میں اک شورش تلاش قرار — دل میں اک جوشش اضطراب سہی
میری ہر سعی سعیٔ نامشکور — میری ہر بات ناصواب سہی
نہ سہی التفات کے قابل — ہیں سزاوار اجتناب سہی
ننگ ہستی وجود ہو جس کا — ہیں ہی وہ خانماں خراب سہی
جس سے دنیا ہو بے سبب بیزار — ہیں ہی وہ خور عتاب سہی
نہ سہی میری بے کسی کا جواب — آپ اپنا ہی ہیں جواب سہی
تا نہ پاؤں سکون یک ساعت — ہر نفس انقلاب سہی
تا نہ بیٹھوں کسی جگہ تھک کر — ذرے ذرے کو اضطراب سہی
میری محرومیاں سخن کوتاہ — بے شمار اور بے حساب سہی
کچھ سہی مغتنم ہے میری ذات — لاکھ رسوا سہی خراب سہی
کوئی پوچھے یہ ناز کیوں ہے تو پھر — یہ حقیقت بھی بے نقاب سہی
بندۂ بارگاہ عثماں ہوں
ذرۂ خاک راہ عثماں ہوں

شاہ ذی جاہ شہریار دکن — صاحب تاج تاجدار دکن
آصف سابع و نظام الملک — کار فرمائے روزگار دکن
تو ہے سلطان ذی وقار علوم — تو خداوند اقتدار دکن

تیرے دم سے ہے بزم عیش آباد — تیری ہے اعتبار دکن
تو ہے سرچشمۂ ہزار اعزاز — تو ہے سرمایہ بہار دکن
تیری نقد بہر سازگار مراد! — تیری تدبیر سازگار دکن
چشم بد دور مرجع آفاق! — نازش ہند و افتخار دکن
تیری ایک ایک بات اک اک کام — مژدہ رحمت و قرار دکن
جن مراعات کی نظیر نہیں! — وہ مراعات ہے بہ کار دکن
تو نے کایا سی کچھ پلٹ دی ہے — چمنستان ہے کوسار دکن
ہیں تیری سرفرازیوں کے گواہ! — قصر و ایوان زرنگار دکن
جم گئی جس طرف نگاہ گئی! — عین منزل ہے رہ گزار دکن
شاہ عثمان تجھے مبارک ہو — وسعت دولت دیار دکن
فیض جاری ترا اشعار رہے — جاں نثاری رہے شعار دکن
تجھ کو نسبت تری شعبان سے ہو — واہ خود سے کو آفتاب سے ہو

نظم حمد باری سبحانہ غیر منقوط

حمد داور ہر دو عالم کو — مرسل مرسل مکرم کو
مصدر لا الہ الا اللہ — مسلم احمد رسول اللہ
حاصل و اصل ہر حصول و اصول — محرم سر سائل و مسئول
داور دور کرۂ دوار — مالک الملک عالم الاسرار
حاکم امر محمد و مطرود و ا — عالم علم لمحہ و محمود
اے خدا جلیل بندہ نواز — ذو المنن و بے نیاز و بے انباز
مدعا ہے سخن ہے بات تری — ہمہ تن ہیں ذوات ذات تری

وحدہ لاشریک و بے ہمتا
تجھ سے رب ہیں کوئی نہیں تجھ سا

کارپرداز بے ہماں ہے تو
اپنی مثل آپ ہی مثال ہے تو

عالم الغیب ہے خبیر ہے تو
سب پہ قادر ہے تو قدیر ہے تو

ہے تو ہی داد رس غریبوں کا
تو ہی فریاد رس غریبوں کا

ذات تیری غنی کریم ہے تو
ہادی راہ مستقیم ہے تو

خاک میں نور کا ظہور کیا
قلب کو جلوہ گاہ طور کیا

ہوا ادا حق معرفت پھر کیا
ما عرفناک جب نبیؐ نے کہا!

تو نے روشن چراغ عقل کیا
تو نے سرسبز باغ عقل کیا

ہے تری ذات بے چگون وچرا
کچھ نہیں جاتے دخل چون وچرا

نہ بدایت نہ انتہا تجھ کو
سب فنا کے لیے بقا تجھ کو

تیری بو تیرا رنگ ہر گل میں
تیری تسبیح شور بلبل میں

دل میں لالے کے داغ ہے تیرا
اور کف میں ایاغ ہے تیرا

تو نے کیا کیا دیا ہے کس کس کو
زلف سنبل کو چشم نرگس کو

گل عارض زبان سوسن سکو
قد دیا تو نے سرو گلشن کو

برق کو تیز گام تو نے کیا
کبک کو خوش خرام تو نے کیا

چشم مہر میں ضیا تیری
روضۂ دہر میں فضا تیری

آگ باغ بہار کی تو نے
کشتی نوح پار کی تو نے

لب معجز نمائے عیسٰی ہوا
ید بیضا عصائے موسٰی ہوا

کچھ بھی ہو سب تری عنایت تھی
مہر سے مولا یہ تیری رحمت تھی

تو نے فضل و کرم کی عنایت کیا
تیرے الطاف کی نہایت تھی

ہے سدا سب پہ لطف عام ترا — ارحم الراحمین ہے نام ترا
کوہ و دامن کا تجھ سے دامن بھر — معدن لعل ہے وہ مخزن دُرا
کیا کہوں میں نے تجھ کو کیا جانا — میں یہ جانا کہ تجھ نہ پہچانا
بدکار ارذل ہے یا نیک ہے تو — سو کی یہ ایک ہے کہ ایک ہے تو
بحر رحمت کو جوش آئے اگر — ابر برسائے جائے آب گہر
در سے خالی کوئی صدف نہ رہے — سنگ پہ لعل کو شرف دے ہے
مشک بن جائے تو وہ تو وہ گل — غیرت غنچہ ہو ذرہ ذرہ گل
چہچہا اٹھے بلبل تصویر — اور مہکنے لگے گل تصویر

علم

اے علم تیری ذات سے دنیا کا بھلا ہے — دنیا ہی نہیں دین کی بھی تجھ پہ بنا ہے
تو جس کے نہیں پاس وہ انسان نہیں ہے — انسان کو شرف علم سے خالق نے دیا ہے
تو جس کا معین اس کا زمانہ بھی ہے ساتھی — تو جس سے خفا اس سے زمانہ بھی خفا ہے
تو ہے وہ خزانہ کہ جسے تو نہیں حاصل — گر شاہ زماں بھی ہے تو مفلس گدا ہے
چرچا نہیں جس گھر میں ترا دشت سے بدتر — جس دل میں نہیں تو وہ درندوں کی جگہ ہے
ہیں اشرف مخلوق یہ تیری ہی بدولت — انسانوں میں کیا فرق بہائم سے سوا ہے
ہے شش جہت دہر میں تیری ہی ترقی — آواز ترا چار طرف گونج رہا ہے
کھویا نہیں جس نے تجھے جس وقت بھی پایا — بھولا نہیں جس نے کہ تجھے سیکھ لیا ہے
کھنچتا نہیں تو اس سے جو دلدادہ ہے ترا — شاہد ہے مگر تیری طبیعت میں وفا ہے
ممکن ہی نہیں ہے ترے بے کسی فن میں ترقی — جاہل ہے اگر لفظ عمل تجھ سے جدا ہے

تیرے ہی سبب سے ہے فلاطوں کی یہ شہرت
رتبہ یہ ارسطو کو بھی تو نے ہی دیا ہے
کس خطۂ دنیا میں نہیں تیری حکومت
شاہوں کا سر آگے ترے ہر وقت جھکا ہے

مسکن ہے ترا سینۂ ارباب صفا میں
تو منبع ہے فیض علماء و فصحا ہے
چلتا نہیں بے تیرے کوئی کام جہاں کا
ہر عقدۂ لاحل کا تو ہی عقدہ کشا ہے

گمراہ رہے خلق اگر تو نہ ہو رہبر
گر تو نہ ہو کہے کس کو خبر کون خدا ہے
تمیز نہ ہو نیک و بد دہر میں کچھ بھی
تیری ہی بدولت ہے جو آنکھوں میں ضیا ہے

جو تجھ سے ہے محروم اسے کچھ نہیں حاصل
اس کا نہ یہاں اور نہ عقبیٰ میں بھلا ہے
ہے فن تجارت میں وہاں کیسی ترقی
انجن تری حکمت کا جہاں دوڑ رہا ہے

ہے صنعت و حرفت میں بھی ممتاز وہی قوم
سو جان سے جو تیری اداؤں پہ فدا ہے
لیکن نہیں جس قوم کو کچھ تیری محبت
اس قوم کا دنیا میں نگہبان خدا ہے

ہے منحصر اب نان شبینہ بھی جس پر
بے بہرہ ہے جو تجھ سے وہ بے برگ و نوا ہے
وہ ڈوب گیا چاہ ضلالت میں سراسر
جو تشنہ ترے چشمۂ حیواں سے پھرا ہے

جس نے تجھے چھوڑا وہ گیا دونوں جہاں سے
بے دین ہے رسوائے زمانہ ہے برا ہے
چکھ ذائقہ علم خدا کے لیے فانی !
ایسا تجھے کیا اپنی جہالت میں مزا ہے

دار فنا

ہنسنے آتے ہیں اس دنیا میں
اکثر مال خزانے والے
دارا، جم، اسکندر کیا تھے
آنے والے جانے والے
کھو بیٹھے اب نام و نشاں تک
شوکت شان دکھانے والے
خاک ہوئے خود خاک میں مل کر
خاک سے بچ کر چلنے والے
ہو گئے اب ر دیاہ سے کمتر
شپر سے آنکھ ملانے والے
کٹ گئے اکثر موسم گل میں
نخل جو تھے پھل لانے والے
ہردم زلف بنانے والے
آئینے والے شانے والے
عطر پہ عطر لگانے والے!
جوبن بھرا تن لانے والے
چل کے قیامت ڈھانے والے
حشر کو چال سکھانے والے
کوئی نہ ٹھہرا وقت جب آیا
چل دیئے آخر جانے والے
تھم نہ گئے وہ جا کے رہیں گے
سب ہیں مسافر جانے والے
دولت، ثروت، عزت، حشمت
چھوڑ گئے سب جانے والے
ساتھ بہت کچھ لے گئے لیکن
کام میں وقت لگانے والے
تج بیٹھے جو عمر کی دولت
اب اٹھیں ہرگز نہ جانے والے

دار فنا ہے دنیا فانی!
آنے والے ہیں جانے والے

اُردوئے معلّٰی

یہ نظم علی گڑھ کالج کے جلسے سالانہ اردوئے معلّٰی منعقدہ ۱۹۰۲ میں پڑھی گئی۔

ایک دن فانی سے اردوئے معلّٰی نے کہا
سچ بتا کچھ تو بھی واقف ہے مرے رتبہ سے کیا!
کہہ کہ اتنا خود ہی فرمایا کہ تجھ کو کیا خبر
جانتی ہے نظم و نثر سب میرا مرتبہ
میرے دم سے نونہالانِ بلاغت بار ور
میرے گلزار فصاحت کی فضا ہے جانفزا
سکۂ رائج مضامیں ہیں تو ہیں ٹکسال
گر خبر ہے نغمۂ دلکش تو ہیں ہوں بلبت سرا
نام میری بندش الفاظ کا دلبستگی!
وصف میری شورشِ تحریر کا ہنگامہ
آپ جواں ہوں اگر ہے نظم عمر جاوداں
درج گوہر ہوں اگر ہے نثر لعل بے بہا
میری صبح نظم ہیں حسن صبیحی کی جھلک!
میری شام نثر میں حسن ملیحی کی ادا!

تیرے فقرے تیر و نشتر میرے جملے دلگداز
میرے نغمے دل نشاں میرے ترانے دل ربا

میرے نقطے ذرہ ہائے ریگ صحرائے امید
حرف میرے نقش داماں قبائے مدعا

میری بزم خاص میں کیا طبع موزوں کی بساط
جس میں خاک فرش پا انداز ہے ذہن رسا

سن کے اردوئے معلّیٰ کی تعلّی اس قدر
پہلے فانی مسکرایا پھر ادب سے یوں کہا

جو ہوا ارشاد وہ بالکل بجا یکسر درست
ہے مگر اپنی زباں سے مدح اپنی ناروا!

اس پہ فرمایا تعلّی یہ نہیں یہ ناز ہے
ان بزرگوں پہ جو حامی ہیں مرے صبح و مسا

وہ کہ ہیں سرگرم تکمیل زباں آٹھوں پہر
وہ کہ جن کا ورد ہے میری ترقی کی دعا!

چین سے بیٹھنے نہیں دیتا انھیں میرا خیال
دم نہیں لینے گھڑی بھر چین سے رہنے دیا

دیکھنا ہو گر مثال اس نامحدود کی
دیکھ جا کر جلسۂ دربار سالانہ مرا!

جمع ہیں اہل سخن اور قدردانان سخن
ہے چمن میں غنچہ سنجان چمن کا جمگھٹا

نظم کے چبھتے ہوئے اشعار تیر و نیشتر!
نثر کے چلتے ہوئے الفاظ خنجر سے سوا

نثر کی رنگینیوں پر غلغلے تحسین کے
نظم کے جادو بھرے نغموں پہ شور مرحبا

حسرت آگیں حسرت معجز بیاں کا حرف حرف
سر بسر اخگر ہے شعر اخگر جادو نوا

تو بھی ہو جانا کہیں بزم گوشے میں شریک
ہے یقیں مل جائے گی تجھ کو صف آخر ہی جا

کچھ کبھی استعداد شعری ہو اگر حاصل تجھے
شعر کہنا تجھ کو آتا ہو اگر اچھا برا

نذر کرنا خدمت احباب میں دو چار شعر
برگ سبزے ہیں بود از تحفہ عاجز گدا!!

سن کہ اتنا فانی ناچیز کو جرأت ہوئی
اور یوں تعمیل ارشاد زباں کرنے لگا

غزل

بے طرح ہم چپ ہوئے ہیں جانے کیا کہنے کو ہیں
شاید ایں بار از خموشی برملا کہنے کو ہیں

آزما کر حال دل ایمان لاتے ہی بنا
ہم سمجھتے تھے کہ کاہ و کہربا کہنے کو ہیں

موت کہ ہم پیار سے کہتے ہیں اپنی زندگی
زندگی کو آفت صبر آزما کہنے کو ہیں

مل چکا روز قیامت خون ناحق کا عوض
وہ دعائے مغفرت کو خون بہا کہنے کو ہیں

شکوہ غارت گری ہائے تغافل کیا کریں
ہم کہ رہزن کو بھی خضر رہنما کہنے کو ہیں

کون تھا یارب نمک پاش جراحت ہائے دل
زخم دامندار کو ہم بامزا کہنے کو ہیں!

اور پڑھ فانی اسی دھن میں کوئی تازہ غزل
نکتہ پرداز ان محفل مرحبا کہنے کو ہیں

رند پارسائے بے ریا کہنے کو ہیں
جو فروش اند کو گندم نما کہنے کو ہیں

حسرتا اے شوق شہادت عبرتا اے قاتل کہ ہم
نخلِ ماتم کو نہال مدعا کہنے کو ہیں

داستانِ دل نہیں ہے آپ سنیے تو سہی
ہم جفائے آسماں کا ماجرا کہنے کو ہیں

اس سے کہیے جس نے اندازِ جفا دیکھا نہ ہو
جذبِ دل اور وعدۂ روزِ جزا کہنے کو ہیں

تاکجا یہ دل فریبی اے امیدِ جاں بری
چارہ گر اب دردِ دل کو لا دوا کہنے کو ہیں

پردہ داری چاہیے خوئے فلک کی ورنہ ہم
کشتیٔ غم کا خدا کو ناخدا کہنے کو ہیں

ہرزہ گوئی ختم کر اے فانیٔ آشفتہ سر
اور بھی کچھ شاعرانِ خوش نوا کہنے کو ہیں

تماشائے بہار

سنہ ۱۹۰۶

آج احباب کا اصرار تماشائے بہار!
لے گیا فانیؔ دل خستہ کو سوئے گلزار

یک قلم صفحۂ عالم نظر آیا رنگین!
کلکِ قدرت نے بنائے عجب نقش و نگار

واہ رے سبزۂ نورستہ کی جادو رنگی
خطِ گلزار بنا آج ہر اک خطِ غبار

سب ہیں نظارہ فریب آج نشیب و فراز
سبزہ و آب سے شاداب ہے وہ سر شار

ہے بہ ہمہ جوش و خروش آب رواں جمنا
ہو گیا سبزۂ خوابیدۂ ساحل بیدار

عرضِ حال

یادِ ایامِ عیشِ برنائی!
ہم ہیں اب اور کنجِ تنہائی

نہ وہی آرزوئے صبر شکن
اب نہیں حسرتِ شکیبائی

سرِ نظارۂ جمال نہیں
اپنے ہم آپ ہیں تماشائی!

بھول بیٹھے ہم اک زمانہ ہوا
محفل آرائی کو خود آرائی!

دل کہ تھا آشنائے ذوقِ نظر
ہم کہ تھے وصل کے تمنائی!

ہم وہی دل وہی سہی لیکن
نہ وہ سودا نہ ہم وہ سودائی

اب نہ وہ آہ دم بہ دم کا ہجوم
اب نہ وہ غم کی کار فرمائی!

فرصتِ شوق ہے نہ رخصتِ ہوش
کوچہ گردی نہ دشت پیمائی!

لحنِ بلبل جگر خراش ہے اب
نہیں بھاتی گلوں رعنائی!

دل ہی مرجھا گیا نہ ہو اپنا
کہ چمن میں تو ہے بہار آئی!

کیجیے اب وداعِ سیرِ چمن!
خار ہے وہ کلی جو مرجھائی!

آ اب اے مرگِ ناگہانی آ!
سخت مضطر ہے تیرے شیدائی

چارۂ دردِ زندگی تو ہے
کہ اگر ہو سکے مسیحائی!

فانیؔ تلخ کام کی امید
تو اگر آ گئی کبھی آئی!

غمازی

اک غماز سے کسی نے کہا
سچ تو یہ کہہ ہے تیری یہ عادت کیا

سچ بتا تو ہے کیوں عناد کئے تو
نہیں آتا سمجھ میں کچھ اصلا

کیوں ادھر کی ادھر لگاتا ہے
فائدہ آخر اس میں کیا ہے ترا

تو نے لڑوا دیا ہزاروں کو
کر دیئے دوستوں سے دوست جدا

تیری باتیں ہیں یا پیام اجل
ہے زباں تیری یا کہ تیغ قضا

ہو گئے سینکڑوں کے گھر برباد
اک اشارے میں تیرا کیا نہ ہوا

موج زہر آپ ہے زباں تیری
تیرے نشتر میں زہر کا مزا

خوئے بد کیا ترے خمیر میں ہے
تیری طینت میں خبث ہے کتنا

اچھے دل کر دیئے برے تو نے
تیری آمد ہے یا نزول بلا

تو ہے غماز یوں ہی غیبت میں
ہم زباں ہم خیال شیطاں کا

لاکھ احسان کسی کے ہوں تجھ پر
تو کسی سے کبھی نہیں چوکا

چھید انھیں ہانڈیوں میں کرتا ہے
جس میں سو بار تو نے کھایا ہے

باپ بھائی کہ دوست کوئی ہو
تیرے ہاتھوں سے کب ہے کوئی بچا

دوست بن بن کے سارے لوگوں کے
پوچھ لینا ہے خاص شیوہ ترا

پاس غیرت نہیں تجھے کہ کبھی!
چغلیاں کھا کے تو نہ شرمایا!

تو نے کیوں اختیار کی ہے یہ خو
آخر اس کا کوئی سبب تو بتا

سن کے غماز نے دیا یہ جواب!
تو نے شاید نہیں یہ شعر سنا

نیش عقرب نہ از پے کیں است
مقتضائے طبیعتش این است

دیگر

مرے اشعار بد اخلاقی غمازی پر
سن کے جو مجھ سے بگڑ جائے اسے کہنا ہے

اسکو دیوانہ مری نظم کو ہجو کیجیے فرضی
یا اسے چور کی داڑھی اسے تنکا کہیے

نامہ منظوم

بنام حافظ امام الدین صاحب امام اکبر آبادی جنوری ۱۹۲۳ء حیدر آباد دکن

مشفق و مہرباں جناب امام
خط ملا بعد انتظار تمام

خط کے ہمراہ یہ پیام بھی تھا
یاد ہے دوستوں کو تیرا نام

لیکن اس نامہ محبت نے
زخم دل پر کیا نمک کا کام

چاہتا ہوں کہ تجھ کو لکھ بھیجوں
ماجرا ہائے ضروری الارقام

گرچہ تھی صبح تھی آگرہ بے نور
اوج پر تھا مگر ستارہ تمام

اور تھی صبح آگرہ بے نور
اوج پر تھا مگر ستارہ شام

اور پہنچنا ہی چاہتا تھا مجھے
حسن اول کا آخری پیغام

کہ یکایک فلک نے کروٹ لی
اور کیا فتنہ جو نے اپنا کام

سینکڑوں کوس آگرہ سے دور
پھینک کر بھی نہیں لیا آرام

دل احباب سے بھی دور کیا
بند کی راہ نامہ و پیغام

حیدر آباد ہے اب اور ہم
دیکھنے کو بھی وہ سحر ہے نہ شام

کون غربت میں غم گسار غریب — کس کو یہ دلبیوں کے کام سے کام
جوش و آزادنے کبھی حد تنگ — کی تلافیٔ گردش ایام
تھی مگر پھر بھی کس کے بس کی بات — حیدرآباد میں طول قیام
ہاں مگر ایک بات اور صرف ایک — دوسرا ہوں تو لوں میں اس کا نام
وہ مہاراجہ سرکشن پرشاد — منبع جود مصدر اکرام
جس کے در سے نہیں کوئی محروم — جس کے دم سے ہے لطف خاص بھی عام
یہ وہ ہستی ہے جس کے فیض سے ہے — کوئی حزن اس دیار میں بھی قیام
اس کا اقبال اس کی دولت عمر — سب کو اللہ دے ثبات و دوام
یہ ہے روداد ابتدائے سفر — اب جو اس ابتدا کا ہوا انجام
یاد رکھیے دعائے خیر کے ساتھ — اک سلام اور بعد ختم کلام

ہاں مگر اک سلام شوق ہے اور
بہ امید جواب شوق و سلام

دیگر

بخدمت یمین السلطنت ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شاد
انجہانی) سابق صدر اعظم مملکت آصفیہ دکن و برار مئی ۱۹۳۲ء

اے مہاراجہ بہادر سرکشن پرشاد شاد — واسطہ ان بیکسی کا جس کو نسبت مجھ سے ہے
واسطہ اس جبر کل جس سے خلقت ہے مراد — واسطہ اس عجز کل کا جو عبارت مجھ سے ہے
واسطہ اس شانہ رفعت کا جو حاصل ہے تجھے — واسطہ ان پستیوں کا جس میں رفعت مجھ سے ہے

واسطہ ارباب فن کی کس مپرسی کا مجھے — تجھ کو اس فن کی قسم اب جسکی عزت مجھ سے ہے

جس میں سودا شعر فانی کا ہے اس پیکر کی قسم — ہاں اور اس دل کی قسم جسکو محبت تجھ سے ہے

جس سے بھی بیزار ہوں اس زندگی کی قسم — اس جوانی کی قسم اب جس کو نفرت مجھ سے ہے

کیوں نہیں ملتا مجھے میرے کسی خط کا جواب — کچھ تو ہو معلوم آخر کیا شکایت مجھ سے ہے

اس تغافل کا سبب یہ کج ادائی کس لیے — اس قدر بیزار کیوں تیری عنایت مجھ سے ہے

میں نے یہ مانا کہ مفلس ہوں تونگر میں نہیں — میں نے یہ مانا کہ کوسوں دور ثروت مجھ سے ہے

میں نے یہ مانا کہ حاجت مند ہوں محتاج ہوں — میں نے یہ مانا کہ بہت برگشتہ قسمت مجھ سے ہے

ہر ہنر سے میں نے یہ مانا کہ میں بیگانہ ہوں — کسب ہنر کو میں نے یہ مانا عداوت مجھ سے ہے

میں نے یہ مانا دشمن اب کے ہوئے ہیں میرے حال پر — میں نے مانا دوستوں کو دور سے عبرت مجھ سے ہے

میں نے مانا اس زمین پر بار ہے میرا وجود — میں نے مانا ایک عالم کو اذیت مجھ سے ہے

کچھ سہی لیکن یہ ممکن ہے کہ تو بھولے مجھے — یاد ہے تیرا جو پیمان محبت مجھ سے ہے

مجھ پہ تو احسان کم ہے اور بھولنا چاہئے فخر — میں نہ بھولوں گا جو تیرے در کو نسبت مجھ سے ہے

سہرا

بتقریب شادی نواب خواجہ نصر اللہ خاں بہادر خلف مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر شاد آنجہانی

مقدر کی بدولت آج پہنچا ہے کہاں سہرا
کہ ہے اوج آشنائے فرق نصر اللہ خاں سہرا

فروغ طالع بیدار ہے پھولوں کے سہرے ہیں!
شعاع مہر سے قیمت میں ٹھہرا ہے گراں سہرا!

مسخر کر لیا ہے سہرے نے نظروں کو کہ سہرے سے
جدھر پلٹیں ادھر سہرا جہاں ٹھہریں وہیں سہرا

یہ زلف حال کا شانہ ہے مستقبل کا آئینہ
محبت کی سند سہرا وفا کا امتحاں سہرا

مبارک شاد کو نوشاہ کے سہرے کا یہ عالم!
نئی کلیاں نئی لڑیاں جواں موسم جواں سہرا

مبارک ہو سرے نواب نصر اللہ خاں تجھ کو
تری امید کی دنیا کا پہلا آسماں سہرا

نہ زعم ہوش نوائی ہے نہ دعویٰ خوش بیانی کا
ترا اقبال ہے ورنہ کہاں فانی کہاں سہرا

o

بتقریب جوم یادگار سر سید مرحوم عشائیہ طلبائے قدیم علیگڑھ منعقدہ
حیدرآباد دکن میں پڑھا گیا

جو شمع علم مغرب سید نے کی تھی روشن
بکھری ہوئی ہیں جس کی کرنیں ہر انجمن میں

اس شمع علم و فن کی کچھ منتشر شعاعیں
یاران بزم تم ہو اس گوشہ دکن میں

لیکن یہ یاد رکھو سچی شعاع وہ ہے
آنکھوں کا نور بن کر پھیلے جو مرد و زن میں

جو شمع سے نکل کر دنیا کو جگمگا دے
جو روح تازہ پھونکے ہر ہیکلِ کہن میں
ماحول کے اثر سے آئے نہ فرق لازم!
گلزار کی کرن اور کہسار کی کرن میں
اور یہ نہیں تو پھر تم مٹی کا وہ دیا ہو
افسردہ نور جس کا محدود ہو لگن میں
سچ ہے نسبتوں کے دعوے تو ہیچ ہیں لیکن
اک پہلوئے عمل بھی درکار ہے سخن میں

(تہنیت خطاب "راجہ بہادر" بہ راجہ خواجہ پرشاد کمار دانجہانی)

خلف مہاراجہ سرکشن پرشاد انجہانی!
بہ زمین زر اجہ ارجن کمار داد قبول
ز حق ہر آنچہ خوش است و ز شاہ از رہِ لطف
خطاب "راجہ بہادر" ترا مبارک ہو
۱۹۳۴ء

بلدہ حیدر آباد سے ناندیڑ کو تبادلہ ہو جانے کے سلسلے میں لکھا گیا ہے
سرگزشت غمِ تنہائی ناندیڑ نہ پوچھ
میں وہاں ہوں کہ جہاں میں بھی ہوں کچھ اپنے سے

جس طرف دیکھیے اک عالم ہو کی تصویر
جس طرف چلیے وحشت سے فضا ہی معمور
صبح سے شام غریبی کی بلاؤں کا نزول
شام سے گورِ غریباں کی خموشی کا ظہور
میں وہ معتوب ہوں جس پہ نہ کھلا رازِ عتاب
میں وہ مجرم ہوں کہ ثابت نہ ہوا جس کا قصور
اور جو مجرم ہوں نہ معتوب تو کیا یہ سمجھوں
بے گناہی کے عوض بھی ہے سزا کا دستور
میں کہ اک عمر سے ہوں خادمِ اربابِ کمال
میں کہ اک عمر سے ہوں جہل کے سائے سے نفور
میری سرگرمیِ خدمت کی یہ ادنیٰ ہے دلیل
کہ ہے دنیائے ادب میں مری خدمت مشہور
حیف جب سعی کو میدانِ عمل ہو درکار
اور تقدیر سے وہ سعی رہے نا مشکور
زندگانی ہے یہاں گرچہ نہایت دشوار
حکمِ اربابِ قضا سے ہوں بغایت مجبور
اور مجھ پہ یہ بھی حقیقت ہے کہ نانہ یہ غریب
اثرِ صحبت سے فانی نہیں ہے مسرور
اب سے بدنام ہوا مجلسِ فانی بن کر
گردوارے کی برکت جو ہوا تھا مشہور

قطعات

سچ اگر پوچھو تو دنیا اک تماشا گاہ ہے
اہل دنیا اس تماشا گاہ کے ہیں ایکٹر
زندگی اسٹیج پر دے انقلابات جہاں!
مختلف سین اس تھیٹر کے ہیں حالات بشر

عورتوں پہ برتری مردوں کی ثابت ہے کہ وہ
رکھتے ہیں قوت جو ہے اس برتری کا خاتمہ
سچ کہا ہے یہ کسی نے سب کی لاٹھی اس کی بھینس
ہے جہاں لاٹھی وہاں انصاف کا ہے خاتمہ

یاس ہے اور خاطر بے تاب — آرزو ہے نہ کوئی حسرت ہے
عمر جاوید اب غم یہ نہیں — جان فانی کو عزم رحلت ہے

دم لینے کی تو مہلت ملنا ہی چاہیے تھی
دن رات بحر غم میں کیا غرق چاہیے تھا
فانی کی زندگی بھی کچھ زندگی تھی یا رب
موت اور زندگی میں کچھ فرق چاہیے تھا

اب وہ راتیں کہاں شباب کہاں
ہو گئی صبح وقت خواب کہاں

یاس ہے اب نہ آرزو باقی!
دل ہو بیتاب اب یہ تاب کہاں

بتقریب جشن سالگرہ ہمایونی بندگان اعلیٰ حضرت سلطان دکن و برار خلد اللہ ملکہ

رشتۂ عمر دراز شاہ کی اک اک گرہ
فال صد نصرت ہو یارب شاہ ذیشاں کیلیے
ہر گرہ میں یوں ہی مضمر ہو کشود کار خلق
ہر برس اللہ یہ بھی دن میرے عثماں کیلیے

تاریخ وفات نواب رضا نواز جنگ مرحوم

ہاتف غیب چوں مراد غوث کشف راز و داد
گفتمش از جہاں خویش بگفت فریب بو رنگ
گفتمش از سکون دل گفت بنائے او برہ !
گفتمش از عدم بگفت راہ رضا نواز جنگ

تعزیّت

مہاراجا سرکشن پرشاد، شاؔد (آنجہانی)

اے مہاراجا بہادر اے یمین سلطنت
تو مجسم خیر تھا انساں عبارت تجھ سے تھی

اب کہاں رسم و مروت اور کہاں ہندوستاں
آج بھی باقی یہاں رسم و مروت تجھ سے تھی

اس زمانے میں کہ ہے معیار عزت سیم و سنگ
بے نوائی میں بھی ہم جیسوں کی عزت تجھ سے تھی

بزم ارباب ادب اجڑی ہوئی محفل ہے آج
بزم ارباب ادب کی ساری زینت تجھ سے تھی

زندہ رکھا تھا سخاوت نے تو خود حاتم کا نام
اور تیرے دور میں زندہ سخاوت تجھ سے تھی

دل سے تیری یاد ہرگز محو ہو سکتی نہیں
اب بھی فاؔنی کو وہی ہے کل جو نسبت تجھ سے تھی

رباعیات

یہ گھر نہیں جیل ہے خطا کاروں کا
اسلام کے بے گنہ گرفتاروں کا
ہے سب سے بڑا گناہ عورت ہونا
مجلس ہے یہ قدرت گنہگاروں کا

○

اک کلمۂ شوق لب پہ لایا نہ گیا
افسانہ آرزو سنایا نہ گیا
فانیؔ ارنی نہ اپنے منہ سے نکلا
احسان تجلی بھی اٹھایا نہ گیا

○

نیرنگ زمانہ رنگ دنیا دیکھا
کیا کہیے ہم نے کیا کیا، کیا دیکھا
تدبیر نے جو کنویں جھنکائے جھانکے
تقدیر نے جو نہیں دکھایا دیکھا

○

تکمیل بشر نہیں ہے سلطاں ہونا
یا صف میں فرشتوں کی نمایاں ہونا
تکمیل ہے عجز بندگی کا احساس
انسان کی معراج ہے انساں ہونا

○

تھا باغ مرقع تمنا اپنا
صحرا وہ سو اک نقش جنوں تھا اپنا
ہم تو ہم تو اس میں اکیلے ہی رہے
دیکھا کیے دور سے تماشا اپنا

وہ حور کو چاہا کہ پری کو چاہا
چاہا اسے ہم نے جس کسی کو چاہا
سو رنگ سے تھی دل میں تمنا اسکی
جب اس کو نہ چاہا تو اسی کو چاہا

بندہ کوئی ایسا بھی خدا کا ہوگا
جس کا چاہا فلک کا چاہا ہوگا
مر مر کے تو ہم بھی جی رہے ہیں فانی
جینے کی طرح بھی کوئی جیتا ہوگا

کتنوں کو جگر زخم کا سیتے دیکھا
دیکھا جسے خون دل ہی پیتے دیکھا
اب تک روتے تھے مرنے والوں کو اب
ہم رو دیئے جب کسی کو جیتے دیکھا

جاہل خود اور خود اہل عرفاں ہونا
خود تشنہ لب اور خود آب حیواں ہونا
اضداد کا امتزاج کچھ کھیل نہیں
مشکل ہے کوئی کام تو آساں ہونا

کس روز یہ دل کفر کا مسکن نہ ہوا
کس شرک سے آلودہ یہ دامن نہ ہوا
ہم نے سو طرح دشمنی دوست سے کی
اللہ رے دوستی وہ دشمن نہ ہوا

جب کوئی تڑپ دیکھنے والا نہ رہا
پھر لطف کوئی تڑپ کا نہ رہا
جس دل کو میسر نہ ہو غمخوار کوئی
اس دل میں کوئی درد رہا یا نہ رہا

سب سے مجھے بیگانہ بنا کر چھوڑا
عبرت کا اک افسانہ بنا کر چھوڑا
آنے نہ دیا ہوش محبت نے کبھی
آخر مجھے دیوانہ بنا کر چھوڑا

اس دار فنا میں جو تھا بدنام حیات
اک عمر رہا مورد الزام حیات
فانی جس کی حیات تھی حسرت مرگ
اس خاک میں دفن ہے وہ ناکام حیات

تنزیہ ہے اس کی ہر صفت کا مقصود
وہ ایک ہے یعنی نہیں کثرت کا وجود
تجرید کا پہلو نہیں وحدت میں کہ ہے
انکار تعین بہ زبان محدود

ناقص ہے عطا نہ ذلہ گانی محدود
ہے بہر حصول خلقت ہر مقصود
فانی جس حصول ناممکن ہے
ممکن نہیں دل میں اس تمنا کا وجود

محکوم ہے حاکم کی حکومت کا شکار
کمزور زبردست کی قوت کا شکار
تھوڑی سی ہے نہ ہو جو عورتوں پر سختی
جب تک ہیں یہ مردوں کی جہالت کا شکار

کچھ خیر سے یاد یار میں گزری عمر
کچھ موت کے انتظار میں گزری عمر!
آیا بھی اگر ہوش تو بے چین رہے
کچھ نشہ میں کچھ خمار میں گزری عمر

دیوانہ صفت گزر بے ہوش گزر
پستی و بلندی سے ہم آغوش گزر
نیرنگ نگاہ و ہوش ہے ہر ذرہ
حیراں گزر اس راہ سے خاموش گزر

اے فتنۂ روزگار آہستہ گزر
آشوب دل فگار آہستہ گزر
نازک ہے بہت دماغ ارباب جنوں
اے نکہت زلف یار آہستہ گزر

بلبل کی حیات کا تقاضا ہے کچھ اور
پھولوں کی جو دنیا ہے وہ دنیا ہے کچھ اور
گو نالۂ مجبور بھی آسان نہیں
مجبوری خندہ ہائے بیجا ہے کچھ اور

بندے ان کی رضا کے ہیں لیل و نہار
تکتی ہے انھیں کا منہ خزاں ہو کہ بہار
تدبیر تو فانی ہے پھر آخر تدبیر
تقدیر کو ہے انکی مشیت درکار

اللہ رے مال و جاہ و ثروت کا غرور
اس خاک کے پتلے کو قیامت کا غرور
اس آج کے فرعون نے یہ بھی دیکھا
فرعوں رہا نہ وہ حکومت کا غرور

غم عین نشاط در ازل تخلیق نشاط
غم حجت انبساط و تصدیق نشاط
غم کا ہے تبسم جسے کہتے ہیں وجود
ہستی کو ہے غم کے دم سے توثیق نشاط

یہ ارض و سما یہ انس و جاں ہیں الفاظ
الفاظ کے معنی بھی یہاں ہیں الفاظ
اک معنی بے لفظ ہے عالم فانی
معنی کی لطافت پہ گراں ہیں الفاظ

آرام کے ساتھی ہیں فراغت کے شریک
البتہ نہیں گردش قسمت کے شریک
غم خوار خدا نخواستہ کیوں ہوتے
احباب کا مفہوم ہے راحت کے شریک

دے کر یارب تونگری کی توفیق
دی اہل تکبر کو خودی کی توفیق
بندوں کو خدا بنا کے دیکھا تو نے
اب ان کو عطا ہو بندگی کی توفیق

ہستی کے نہ آغاز نہ انجام میں دخل
تکلیف یہ قائم ہے نہ آرام میں دخل
اک سانس پہ عمر بھر کبھی بس نہ چلا
مختار ہوں اور نہیں کسی کام میں دخل

جو شے نہ ہو اس کی آرزو سے حاصل
فانی راحت کی جستجو سے حاصل
تو جس کی تلاش میں ہے دنیا میں نہیں
پھر حسرت سیر لکھنؤ سے حاصل

پردہ کہ عرب سے لے کے تا روم و عجم
کچھ شرم و حیا ہمیں زیادہ تھی نہ کم
کایا سی گئی ہند میں کچھ اس کی پلٹ
یاں اس نے لیا ہے گھنیٹے گارے کا جنم

○

پاکیزہ ہوا کی تازگی سے محروم
ہے قابلِ افسوس عورتوں کی حالت
دیواروں میں بند سے محروم
زندہ ہیں مگر زندگی سے محروم

○

ناکامِ ازل کی کامرانی معلوم
جینے سے مراد ہے نہ مرنا شاید
قسمت میں نہ ہو تو شادمانی معلوم
ورنہ فانی کی زندگانی معلوم

○

اے راہ رو جادہ نہ نیلے یقیں
نقشِ قدمِ دوست ہیں یہ پست و بلند
چل خاک پہ قدموں کے عوض رکھ کے جبیں
نکلے ہیں یہ نقش گھر سے ہی کہیں

○

ہر چند بہت بے سر و ساماں ہو لیں
لیکن یہ غنیمت ہے فرشتہ ہی نہیں
اور قصرِ گناہ پہ پشیماں ہو لیں
بخشش کو یہ کافی ہے انساں ہو لیں

○

اب یہ بھی نہیں کہ ہم تو لیتے ہیں
دامن فقط اشکوں سے بھگو لیتے ہیں
ہم اب ترا نام لے کے روتے بھی ہیں
سنتے ہیں ترا نام تو رو لیتے ہیں

○

کلیاں کھلتی ہیں پھول کھلاتے ہیں ۔۔۔ جلوے بیباک ہو کے چھپ جاتے ہیں
دل جن کے اداشناس ہر رنگ نہیں ۔۔۔ فانی اس باغ میں وہ کیوں آتے ہیں

○

چاہے سے بدلتی ہے مشیت بھی کہیں ۔۔۔ چھپتی ہے چھپائے سے حقیقت بھی کہیں
غم سے غلط نہ کر کہ غم قسمت ہے ۔۔۔ ملتی ہے غلط کیے سے قسمت بھی کہیں

○

ہستی فقط اک دور مسلسل ہی نہیں
ہر خلق جدید ہے لطافت سے قریں
کلیوں کو سب نے پھول بنتے دیکھا
کلیاں بنتے بھی پھول دیکھے ہیں؟

○

قطرے کو یہاں سحاب تھی کہتے ہیں
دریا ہے جسے حباب تھی کہتے ہیں!
ہر جزو بجائے خویش کل ہے فانی
ذرے ہی کو آفتاب بھی کہتے ہیں!

○

اب جب دل نہیں تو دنیا بھی نہیں نہ سہی
اب عیش عزیز کیا گوارا بھی نہیں

جینے کی تمنا کو زمانہ گزرا
اب خیر سے مرنے کی تمنا بھی نہیں

اک شمع سو روپ میں تنویریں ہیں
اک حرف کی سو رنگ میں تحریریں ہیں
بن جاتی ہے نگاہ منظر فانی
جو دیکھ رہا ہوں مری تصویریں ہیں

روداد غم ہوش ہے وابستہ کفن!
کانٹا نہ نکال پھول دیکھ اور نہ چن
فانی افسانہ مکمل ہے حیات
سن اور بہ امید ردّ و اصلاح نہ سن

دنیا کہیں دوزخ ہے کہیں خلد بریں
دل ہے وہی اک شاد ہے اک حزیں
یہ ذرہ چمک اٹھا وہ تاریک ہوا
جم کر نہ رہی شعاع خورشید کہیں

نیرنگی حیات وحدہ بات ہوں میں
جو فہم سے ہو بعید وہ بات ہوں میں

جس رات کے دو پہر ہوں ہستی و عدم
فانی بیمارِ غم کی وہ رات ہوں میں

آما جگہ ناوکِ آفات ہوں میں!
تلخیٔ کشش زہر مافات ہوں میں
عبرت کدۂ دہر میں شاید فانی
جیتا ہے گناہ اور مکافات ہوں میں

ب

بندے زر دار و بے نوا ہیں دونوں
محتاج عطا شاہ و گدا ہیں دونوں
ہستی کا فریب ہے مراتب کا یہ فرق
دھوکے ہیں نہ آکے دیکھتا ہیں دونوں

دنیا اندھیر جب ہوئی جاتی ہو
امید بھی ساتھ چھوڑتی جاتی ہو
سمجھو سن لی خدا نے دل کی فریاد
ہر چند کہ اب اف بھی نہ کی جاتی ہو

نا عاقبت اندیش قیامت کو سمجھ
مظلوم سے ڈر خدا کی عادات کو سمجھ
یہ عرش کو سو بار ہلا آئی ہے
آوازِ شکستِ دل کی طاقت کو سمجھ

کشمیر میں حال اہلِ کشمیر تو دیکھ
ہر پاؤں میں افلاس زنجیر تو دیکھ
سمجھے ہم کیا تھے دیکھتے ہم کیا ہیں یا
کشمیر کے خواب اپنی تعبیر تو دیکھ

اس سمت تقاضا کہ ادھر ایک نگاہ
اس سمت فریب وعدۂ شام پگاہ
یہ کشمکش رد و قبول اور فانی
لاحول ولا قوۃ الا باللہ !

انوار کے پردوں میں سیاہی توبہ
اغراض کی دوستیٔ الٰہی توبہ
فانی جنہیں دشمنی سمجھا ہے محال
ان دشمنوں کی بے پناہی توبہ

دکھ عورتوں کے سنو زبانی ان کی
سننے ہی کے قابل ہے کہانی انکی
ٹیڑھے ہیں تو کون بل نکالے انکے
سیدھے ہیں جو ہر مرد مہربانی انکی

دل کا نہ سہی یہ حال افسانہ سہی
جاتی نہیں تم پہ جان اچھا نہ سہی
ظاہر ہے کہ ہشیار نہیں ہے فانی
دیوانہ تمہارا نہیں دیوانہ سہی

دل ہے وہی اضطراب کی خو نہ سہی
غم ہے وہی اظہار کا پہلو نہ سہی
آنسو تھے تو آنسوؤں سے رو لیتے تھے
روتے اب بھی ہیں خیر آنسو نہ سہی

پھولوں کی نظر نواز رنگت دیکھی
مخلوق کی دل گداز حالت دیکھی !
قدرت کا کرشمہ نظر آیا کشمیر
دوزخ میں سمائی ہوئی جنت دیکھی

ترک غم سے خوشی کی حسرت نہ مٹی
صورت کے بدل جانے سے صورت نہ مٹی
غم لاکھ غلط کیا مگر پھر غم تھا
انکار حقیقت سے حقیقت نہ مٹی

○

عالم بہ لا فضائے عالم بدلی
ہر شے باختیار وہم بدلی
ہاں اک مری تقدیر کہ بدلی ہی نہیں
ایک میری طبیعت کہ بہت کم بدلی

○

یعقوب کی تم نے آہ و زاری سن لی
ایوب کی بھی شکر گزاری سن لی
یہ مان لیا کہ سب کی سن لیتے ہو!
یہ اور سمجھ لیں کہ ہماری سن لی

○

کسی شخص کو احتیاج دنیا نہ ہوئی
ہاں فرق یہ ہے فاش ہوئی یا نہ ہوئی
محتاج چھپا نہ سکا افلاس کا راز
زردار کی احتیاج رسوا نہ ہوئی

○

کچھ کام نہیں تو کام کر جانے دے
یا رب دنیا سے اب گزر جانے دے
مر مر کے جیئے جائے کہاں تک فانی
جینا نہیں منظور تو مر جانے دے

○

کیا خضر طریق کہہ کے رہزن کہتے
بنتی نہیں موم کہتے آہن کہتے
ورنہ وہ دوستوں نے ایذا دی ہے
شرم آتی ہے دشمنوں کو دشمن کہتے

○

جاہل ہی نے پایا نہ عالم نے تجھے
مخفی رکھا ضمیر محرم نے تجھے
لیکن یہ حجاب قدر آخر کب تک
پہچان لیا فسخ عزائم نے تجھے

ہر شے میں نگاہ شوق پاتی ہے تجھے
دوری گویا قریب لاتی ہے تجھے
پھولوں کی مہک یاد دلانے والے
پھولوں کی مہک یاد دلاتی ہے تجھے

وہ یاد جو محو ہوش پاتی ہے مجھے
چھلکا کے عجب تماشا دکھاتی ہے مجھے
ہر بو میں جھلکتا ہے رخ یار کا رنگ
ہر رنگ میں بوئے یار آتی ہے مجھے

آنکھوں سے جو خون دل بہے بہنے دے
تخفیف نہ چاہ دل کو غم سہنے دے
غم میں یہ تصرف ہے خیانت فانی
غم اس کی امانت ہے یونہی رہنے دے

یہ رات یہ ابر یہ ہوا کے جھونکے
یہ راگ ہوا کے ساز پر بوندوں کے
پھر دل میں وہ یاد دے کے نشتر آئی
پھر زخم ہرے ہوئے کے رہے برسوں

وہ بھید ہوں فانی جو کوئی پا نہ سکے
وہ بات ہوں جو خیال میں آ نہ سکے
قادر ہو وہ عمر بھر جیئے جاننے پر
جو تاب عذاب یک نفس لا نہ سکے

منہ نہیں ہے زبان کچھ نہ کہنے کیلئے
اسباب طرب ہیں رنج سہنے کیلئے
اثبات سے اثبات کی ضد ہے مقصود
زندہ ہیں فقط زندہ نہ رہنے کیلئے

بیگانۂ جبر ہو کے مجبور رہے
رحمت سے قریب ہو کے ہم دور رہے
عصمت رہی احساس خطا ہیں گم
مختار سمجھتے رہے مجبور رہے

ہر لمحہ گزرتے کو ہے یا گزرا ہے
ہنگام عمل دیکھیے کب آتا ہے
ٹھہرے گا کبھی وقت تو ہوگا امروز
فی الحال زمانہ ہے یا فردا ہے

کب کوئی کسی کے لیے غم کھاتا ہے
وہ نیک ہے جو بدی سے ڈر جاتا ہے
امکان ہے اپنی بے کسی کا بھی مجھے
اس خوف سے بیکسی پر ترس آتا ہے

وقت اپنا سبھی طرح گزر جاتا ہے
اچھی کہ بری طرح گزر جاتا ہے
جو لمحہ کسی طرح گزرتا ہی نہیں
فی الجملہ کسی طرح گزر جاتا ہے

سچ ہے کہ محبت میں اثر ہوتا ہے
جو چاہے وہ نہیں مگر ہوتا ہے
جتنا متوقع ہو خبر کا کوئی
اتنا ہی وہ اور بے خبر ہوتا ہے

کیا جام مے ہوش ربا دیتا ہے
کیا مژدۂ درد سر بلا دیتا ہے
ہر قطرہ مے ہے خون صد عیش بدوش
مے دے کے قریب عیش کیا دیتا ہے

دل ہو ہمہ جوش زندگانی یہ ہے
مایوس نہ رہے کامرانی یہ ہے
ہر فتح کی بنیاد ہے انکار شکست
مانوس ہو غم سے شادمانی یہ ہے

کیا کہیے کہ مدعائے تحقیق یہ ہے
خود کھو گئے ماجرائے تحقیق یہ ہے
تو کیا ہے یہ ابتدائے تحقیق ہی سہی
ہم کچھ نہیں انتہائے تحقیق یہ ہے

اس باغ میں جو کلی نظر آتی ہے
تصویر فسردگی نظر آتی ہے
کشمیر میں ہر حسین صورت فانی
مٹی میں ملی ہوئی نظر آتی ہے

گو خوار ہوں جب یاد چمن آتی ہے
انگاروں پہ لوٹتے ہی بن آتی ہے
کافر ہوں جو فردوس میں چین آتا ہو
دوزخ سے کبھی جب مجھے وطن آتی ہے

ہاں بعد خزاں بہار آجاتی ہے
اک لمحۂ عیش بعد غم لاتی ہے
اک اپنی ہی عید پھر نہ پلٹی ورنہ
اب تک رمضان کے بعد عید لاتی ہے

بجھتی ہی نہیں شمع جلی جاتی ہے
کٹتی ہی نہیں رات ڈھلے جاتی ہے
جاری ہے نفس کی آمد و شد فانی
سینے میں چھری ہے چلی جاتی ہے

غم رازِ بقا نظامِ یک عالم ہے
غم مے سے غلط ہو یہ توقع کم ہے
ہے ردِّ حقیقت بھی حقیقت فانی
بالفرض غلط بھی ہو تو غم پھر غم ہے

کیا جانیے کس کی جستجو جاری ہے
ایک عمر سے رسم آرزو جاری ہے
کچھ اپنی زبان میں دل کہے جاتا ہے
بے سمجھی ہوئی سی گفتگو جاری ہے

ہ

ہر چند کہ بے نیازِ عالم تو ہے
ہر درد میں دل نوازِ عالم تو ہے
اللہ پناہ دے مرے بگڑے ہوئے کام
واللہ کہ کارسازِ عالم تو ہے

ہ

دل میں خلشِ دردِ نہاں جاری ہے
دل پر اثرِ سود و زیاں جاری ہے
مر جاؤں تو اعتبار آئے شاید
جب تک جیتا ہوں امتحاں جاری ہے

ہ

دل سے تری ہی گفتگو کافی ہے
تجھ سے تری آرزو کافی ہے
فانی ہو کہ باقی ہو وہ دنیا ہو کہ خلد
درکار نہیں کہ ایک تو کافی ہے

نظام الاوقات

فانی کے اب نشان نہ پوچھو کہ وہ اس سال
بستی میں ملے گا نہ بیاباں میں ملے گا!
محراب میں یا ڈھونڈیے مے خانے میں اس کو
مسجد میں نہ وہ حلقۂ رنداں میں ملے گا
البتہ جو ہو نادرہ واقفِ اسرارِ حکومت
ناظر بنکے ایک گوشۂ ویراں میں ملے گا
دن رات جو دربوا نہ خود داری و غیرت
آغوشِ غم دیہلو سے تہ ماں میں ملے گا
وہ نور کا تڑکا ہو کہ ہو تیرگیِ شام
جب دیکھیے وہ کلبۂ احزاں میں ملے گا
جب دیکھیے وہ طوقِ غلامی ہے گراں بار
اندوہِ معیشت ہی کے زنداں میں ملے گا
گو راہِ خطا سے نہیں اٹھتا قدم اس کا
سر شرمِ معاصی سے گریباں میں ملے گا

متفرق اشعار

نہ آؤ سامنے لیکن تصور میں تو آؤ گے
یہ آنکھوں کا ہے پردہ دل سے پردہ ہو نہیں سکتا

●

وہ میری عیادت کو آئے ہیں دم آخر
ہاں اور ابھی دم بھر اے عمرِ وفا کہنا

●

آپ کا حسن کہ پردے میں بھی تھا عالمگیر
آپ کا عشق کہ پنہاں بھی نہ تھا ازبس تھا

●

بیمار ترے جی سے گزر جائیں تو اچھا
جیتے ہیں نہ مرتے ہیں مر جائیں تو اچھا

●

●

کب کہہ گیا تھا آنے کو کیا وقت ہو گیا
اللہ نامہ بر بھی گیا وقت ہو گیا

●

آہ تیوں پہ دل کیا آیا ہاتھ ہی سے نادان گیا
خیر بلا سے دل ہی جاتا، جان گئی ایمان گیا

●

کیا بلا تھی ادائے پرسش یار
مجھ سے اظہار مدعا نہ ہوا
وہ قیامت اٹھائے پھرتے ہیں
آسمان آج زیر پا نہ ہوا

●

دل ہی پھر تیر ہے جو دل میں نہیں!
تیر ان کا خطاب نہیں ہوتا

●

دل پہ باد کیا ہوا آخر
کوئی ذرّہ فنا نہیں ہوتا

●

●

ہے یہ شانِ عبودیت معروفِ دعا ہونا
منظورِ مشیت تھا ہر نالہ رسا ہونا

●

بنیادِ جہاں کیا ہے مجبور ہونا
سرمایۂ ہستی ہے محرومِ بقا ہونا

●

حشر میں آؤ تو دو ہو جائیں باہم آفتاب
اک سوا نیزے پہ ہو اک قدِ آدم آفتاب

●

وہ سخت جاں ہیں ہم کہ شبِ غم بھی کاٹ دی
فانی ہمیں تو نیند نہ آئی تمام رات

●

بازآ فکرِ دوا سے اے طبیب
ہے علاجِ دردِ بے درماں عبث

●

اب یہ حالت ہے ترے بیمار کی
یا عبث گریاں ہے یا خنداں عبث

●

●

اے فانیٔ سخت جاں مبارک
تلواروں کی دیکھ بھال ہے آج

●

اے شبِ وصال کوئی دم تو ٹھہر
عمرِ دو روزہ کا شباب ہے آج

●

نفرت ہے ان کو حسرت و ارماں کے ذکر سے
ان کو نہیں پسند دلِ آرزو پسند

●

دل اس کو دے دیا ہے جو دشمن ہے جان کا
اس دوست پر فدا ہوں جیسے ہے عدو پسند

●

جان فدا کرنا ہے کیا مشکل اگر
ہو قبول خاطرِ مشکل پسند

●

جی گیا دیکھ کے ان ہاتھوں کا لکھا کاغذ
کر گیا حق میں مرے کارِ مسیحا کاغذ

●

•

پھر زندہ اک جنبش لب نے کیا مجھے
قربان معجزے لب معجز نظام پر

•

شام وصال شام خط یار شام زلف
کیجئے فدا ہزار سحر ایسی شام پر

•

کیوں نہ دل زار کو ہو تیرا پیکاں عزیز
رسم جہاں ہے یہی خاطر مہماں عزیز

•

جو دل غنی ہے تو فانی غنی ہے مفلس بھی
نہیں گدا کو میسّر وہ کیا ہے شاہ کے پاس

•

گل تو سر در دال نرگس شہلائے چمن
صدقے آنکھوں کے فدا قد پہ نثار عارض

•

جب یہ کہا کہ بے وفا کیا نہیں تجھ پہ ہیں فدا
کیا ہے یہ ماجرا غلط کہنے لگا کہ ہاں غلط

•

●

شکوۂ ظلم افتدا حال شب فراق جھوٹ

نالۂ غم فزا دروغ آہ شرر فشاں غلط

●

ہے سوز غم ہجوم تمنا میں اس طرح

جیسے کہ جل رہی ہو کسی انجمن میں شمع

●

وہ آتے ہیں یہاں اسے آخری دم

وفا کر ہو سکے تجھ سے جہاں تک

●

یہ رونا رات دن یہ غم میں گھلنا

کہاں تک فانیٔ مخزوں کہاں تک

●

پھاڑ کر فانی گریباں لحد

ہم چلے دامان محشر کی طرف

●

جو اٹھا تو میٹھا سا اٹھتا ہے درد

ابھی عشق اپنا جماتا ہے رنگ

●

یہ دل ہے کیا جو دے مجھے پروردگار دل
دل مانگیے یہ آپ کے قرباں ہزار دل

وہ کر کے قتل مجھے یوں جتا گئے احساں
کہ تیری خاک ٹھکانے لگائے دیتے ہیں

دونوں فتنے ہیں عشق اور محشر
ایک دنیا میں ایک عقبےٰ میں

نگہ ناز کو گھونگھٹ کے ہی اندر رکھیے
گھر میں رہتے نہیں جب پاؤں نکل جاتے ہیں

میرے مرنے کی خبر سن کے خفا ہو جانا
بدگمانی یہ نہیں تو اسے کیا کہتے ہیں!

آ کے تماشاگاہ جہاں میں داد تماشا کیا چاہوں
یاں ہر ذرہ کہتا ہے میں ذرہ نہیں اک دنیا ہوں

●

محو تماشا ہوں میں یارب مدہوش تماشا ہوں
اس نے کب کا پھیر لیا منہ اب کس کا منہ تکتا ہوں

●

شب گریہ غم کے طوفان کا وہ جوش وہ جوش اللہ رے توبہ
ہر اشک اٹھ کر کہتا تھا میں دل کے لہو کا دریا ہوں

●

غم کے ٹھوکے کچھ ہوں بلا سے آ کے جگا تو جاتے ہیں
ہم ہیں مگر وہ نیند کے ماتے جاگتے ہی سو جاتے ہیں

●

ساز ہستی کو بھی اب قسم کے اشارے سے نہ چھیڑ
اس میں ٹوٹے ہوئے دل کی نہ ہو آواز کہیں

●

دل ہی وہ خانماں خراب نہیں
جس کو توفیق اضطراب نہیں

●

میں ہی اپنا حجاب ہوں ورنہ
تیرے منہ پر کوئی نقاب نہیں

●

●

راز حقیقت جاننے والے دیکھیے اب کیا کہتے ہیں
دل کو ہم اپنا دل نہیں کہتے تیری تمنا کہتے ہیں

●

ہر نفس آہ اور انفاس پہ جینے کا مدار
زندگی آہ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں

●

ہجر میں نامراد زیست جی سے گزر نہ جائے کیوں!
ہو جنہیں زندگی نصیب موت انہیں کو آئے کیوں

●

حسن سے راہ چاہیئے ذوق نگاہ چاہیئے
جب کوئی گرد بردہ ہو سامنے کوئی آئے کیوں

●

کہتے ہیں یہاں حضرت فانی بھی کہیں ہیں
اس انجمن تازہ میں کیا ہم بھی کہیں ہیں!

●

کشتیٔ اعتبار توڑ کے دیکھ
کہ خدا بھی ہے ناخدا ہی نہیں

●

●

میری ہستی گواہ ہے کہ مجھے
تو کسی وقت بھولتا ہی نہیں

رہ ظلمات کی اے خضر نہیں ہم کو تلاش
ہم ہیں غربت زدہ حد دیار گیسو!

●

طالع بد بھی مرا طالع اسکندر ہے
ہے مرا بخت سیہ آئینہ دار گیسو!

وہ مایوس شفا ہیں ہوں وہ جینے سے خفا ہیں ہوں
کہ جس کی زندگی قائم دم شمشیر قاتل ہو

●

ترے فراق میں حالت تباہ سی ہے تباہ
نہ دل پہ ہاتھ نہ اب سوئے آسمان ہے نگاہ

●

سرور وعدہ کہیں اور نہیں غم ناگاہ
خیال دوست کی نیرنگیاں خدا کی پناہ

●

کیوں لبِ مرگ یہ احسان اٹھائے کوئی
بیکسی کہہ رہے جنازے پہ نہ آئے کوئی

●

وہ بھی دن ہو کہ مری خاک کو کرنے پامال
قبر پر حشر اٹھاتا ہوا آئے کوئی

●

مجھے آہ کا ہے رونا جو یہ بے اثر نہ ہوتی
مری بیقراریوں کی تمہیں کیوں خبر نہ ہوتی
مری زندگی کی گھڑیاں تری دھن میں خوب گزریں
مری عمر کیسے کٹتی تری یاد اگر نہ ہوتی

●

رسم بیداد دوست عام ہوئی
تلخی زیست بھی حرام ہوئی

●

گو ہستی تھی خواب پریشاں نیند کچھ ایسی گہری تھی
چونک اٹھتے تھے ہم گھبرا کر پھر بھی آنکھ کھلی نہ تھی

●

جینے کی ہوس بھی ہے مرجانے کی حسرت بھی
وہ ایک تری مرضی جو غم بھی ہے راحت بھی
اس مشغلہ غم میں کیا لطف حیات آئے
ملتی ہے کہیں فانی مرجانے کی فرصت بھی

●

جادو جگا گئی ہے جب سے نظر کی ہستی
بیہوش مستقل ہے اس رہ گذر کی بستی

●

کیا کرے زندگی خضر کو لے کر وہ تمہید
لاش پر جس کی بس مرگ، وہ دامن ڈالے
ازل میں آشنائے شوق کیا کوئی نہ تھا یارب
ہماری ہی زبان دنیا میں وقف التجا ہے

●

ہے ایک مرے پاس بھی کہتے ہیں جسے دل
جام جہاں نما کوئی جاگیر جم کی ہے

●

اک عمر سے ہوں ناصیہ فرسا ترے در پہ
اتنا تو کبھی پوچھ کر تو کون ہے کیا ہے
ٹالا ہے مجھے وصل کو محشر پہ اٹھا کر
آجائے اگر کل ہی قیامت تو مزا ہے

●

شکایت سے کرتے ہیں عذر شکایت
گلہ کیوں کیا یہ گلہ ہو رہا ہے

●

تاثیر دکھا کر ہی رہی غم کی کہانی!
کہنا کسی ہمراز سے یہ راز غضب ہے
گو ایک ہی فتنہ قامت بھی قیامت بھی
کم ہو تو قیامت ہے بڑھ جائے قیامت ہے

●

ارمان کہاں ضعف میں تاثیر الم کے
لالے ہیں پڑے اب تو ہمیں آہ کے دم سے
خیر ہے کیوں مرے رونے کی ہنسی ہوتی ہے
دل لگی کیا ہے لگی دل کی بری ہوتی ہے
گریہ ضبط کی تہمت نہ لگے آنکھوں کو
خون دل اب ترے آنے میں کمی ہوتی ہے

●

مجھے مرنے کی حسرت کار مشکل کی تمنا ہے
مرادم بھی کسی ناکام کے دل کی تمنا ہے

●

اجل سے ہے دل مایوس کو امید آسائش
مری ڈوبی ہوئی کشتی کو ساحل کی تمنا ہے

●

دیکھ فانی وہ کوئی عشر اٹھاتا آتا!
چونک اب جواب لحد سے کہ سحر ہوتی ہے

•

ہے جو اس کان ملاحت سے طلبگار نمک
زخم دل شاید تبسم آفریں ہونے کو ہے
اللہ اللہ سرخی رنگ شفق کیوں اے جنوں
آسماں کیا کوئے قاتل کی زمیں ہونے کو ہے

•

مطلب ہے ضبط عشق سے تاثیر درد عشق
اخفائے حال سے غرض افشائے حال ہے
روداد مرگ و زیست یہ ہے قصہ مختصر
مجبور زندگی کو بھی جینا محال ہے

•

آٹھ پہر کسی کی آنکھ بند نہ کیوں رہا کرے
دید ہو یا امید ہو کچھ بھی نہ ہو تو کیا کرے
ہے تری بارگاہ میں حرف غلط ہر آرزو
کوئی دعا نہیں قبول لاکھ کوئی دعا کرے

تو بھی تو ماسوا بھی تو ہی ہے
رنگ دیوار رنگ ہے نہ لہو ہی ہے

●

پاس وضع حیات کیا کہنا
آرزو ہے تو آرزو ہی ہے

کچھ آگہی سے اپنی حقیقت سے ہے مجھے
امید بے سبب تری رحمت سے ہے مجھے

●

اے داغ دل اے کھوئے ہوئے دل کی نشانی
آ فانی بے دل تجھے سینے سے لگا لے

●

روح کا آنسوؤں بھری آنکھوں میں یا اترا ہے
آکہ حیات مستعار نقش بر دے آب ہے

قاعدہ دان ضبط ہے شعلہ غم کی داد دے
برق کی وضع پر جا بندہ اضطراب ہے

●

عالم ہستی یارب کیا آباد نما ویرانہ ہے
جس نے یہاں کچھ ہوش سنبھالا آپ ہی دیوانہ ہے

کس کو یہاں امید اثر ہم دل کو سمجھا لیتے ہیں
حال دل ناشنیدہ یوں کہتے گویا اک افسانہ ہے

●

میں بھی اک پرتو ہستی ہوں مگر کیا کہیئے
قطرہ دریا سہی کس قطرے کو دریا کہیئے

تھی نظر صرف تماشا وہ زمانہ گزرا
اب کوئی دن مری آنکھ کو تماشا کہیئے